رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۶۸

جلد ۱ — نمبر ۲

والسلام علی من اتبع

الہدیٰ

صرف بغرض اصلاح مفاسد دینیہ و رد معتقدات باطلہ فلسفیہ

و

تائید احکام سنت سنیہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ

بجستجو و ترتیب

خاکسار اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

باہتمام

مولوی کرم بخش صاحب مہتمم و مالک اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا

فہرست مضامین

ضوابط

(۱) یہ رسالہ صرف مذہبی مضامین پر مشتمل ہوگا۔ (۲) ہر قمری مہینے کے اخیر پر شائع ہوا کریگا۔ (۳) اسمیں کوئی مضمون شائع نہیں کیا جائیگا جو نصوص قرآنیہ اور سنت نبویہ کے منہاج سے مخالف ہوگا۔ (۴) اس کی قیمت طلبا سے (عہ/۸) اور پچاس سے زائد آمدنی والوں سے (عہ/) اور دیگر اصحاب کے لئے (عہ) سالانہ مقرر ہے۔ (۵) مربیان مربیانہ طریق سے جسقدر مناسب خیال فرماویں۔ (۶) کوئی صاحب بلا اطلاع رسالہ بند نہیں کرا سکیں گے اور نہ ہی وی پی کے واپس کر دینے سے چندہ واجب الادا ساقط ہوگا (۷) سال کے کسی حصہ تک خریدار رہنے سے اس حصہ کا چندہ ادا کرنا ہوگا۔ (۸) مفلس محض کے نام رسالہ بشرط گنجائش مفت جاری ہوگا۔

امیر الکلام

یہ رسالہ ۱۲۸ صفحہ پر چھپا ہے اس میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے کلمات طیبات معہ ترجمہ اردو شائع کئے گئے ہیں اس کا مطالعہ نور ایمان کو ترقی دیتا ہے قیمت ۔۔۔ علاوہ محصولڈاک ۶/

اطباق البردہ

یہ کتاب قریباً دو سو صفحہ پر نہایت خوشخط اور با جدول اشعار جلی قلم کیساتھ شائع ہوئی ہے۔ قصیدہ بردہ کے جو فضائل و کمالات جناب سرور کائنات پر مشتمل ہے نہایت مکمل و سلیس شرح ہے اس قصیدہ کی ایسی شرح آجتک اردو میں شائع نہیں ہوئی قیمت ۔۔۔ علاوہ محصولڈاک ۱۲/

نعم التعویذ یہ رسالہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ نصیحت التلمیذ کا اردو ترجمہ ہے جسمیں نہایت عمدہ طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی کو مرنے سے پہلے کسطرح اللہ تعالیٰ کیساتھ اپنے تئیں وابستہ کرنا چاہیئے ایسا جامع اور موثر رسالہ آجتک اردو میں شائع نہیں ہوا۔ قیمت فی جلد ۳/ منیجر الہدیٰ سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵
اِنّی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین
میں تو اِدھر اُدھر سے ہٹ کر ایک معبود کی طرف لگ گیا ہوں جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

الہدیٰ

جلد ۵ | بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ | نمبر ۲

باب التفسیر

لا تخفی منکم خافیۃ

یہ جملہ گذشتہ آئت میں تعرضون کی ضمیر مرفوع سے حال واقع ہوا ہے اور خافیۃ سے سریرۃ (امر مخفی) مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ قیامت کے دن سب کو اپنے سامنے حاضر کرے گا تو بمقتضائے آیہ یوم تبلی السرائر تمہارے وہ تمام افعال مخفی بروئے روز آجائیں گے جو دنیا میں اللہ تعالےٰ نے مستور رکھے تھے یعنی اہل ایمان کے حسنات اور کفار و فساق کے معاصی کھلم کھلا ظاہر ہوجائیں گے اہل ایمان تو ایک دوسرے کے حسنات کو دیکھہ کر مسرور و محظوظ ہوں گے اور اہل کفر منقبض اور محزون اس آئت میں نہایت بلیغ طور پر معصیت سے زجر کیا گیا ہے کیونکہ جب آدمی کو معلوم ہوجائے کہ اس کے نیک و بد اعمال علی رؤس الاشہاد مشاہدہ کئے جائیں گے تو بیشک یہ خیال اس کو ارتکاب معاصی سے روک دیتا ہے۔

فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فیقول

هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ

ترجمہ۔ سو جو شخص تو اپنا صحیفہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (مارے خوشی کے) یوں کہ
کہ لے لو میرا صحیفہ تو پڑھو۔

خلاصہ اس میں خطاب اپنے اہل قرابت یا اپنے اصحاب کو ہے یہ قاعدہ ہے کہ جب
آدمی کسی امر کا خوف دل میں رکھتا ہو اور حالات ایسے پیش آئیں جن سے وہ بالکل
مطمئن ہو جائے اور اسے خوف نہ رہے تو خوشی میں آکر اپنے اعزہ و احباب کو بھی
اس خوشی میں شریک کرنا چاہتا ہے چنانچہ مومن بھی جب اپنے حسنات کو اپنے
صحیفہ اعمال میں دیکھے گا تو یوں کہے گا کہ اس میں کوئی امر ایسا نہیں جس پر مجھے
نادم ہونا پڑے اور بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ مومن کے حسنات تو ظاہر
نظر آئیں گے اور اس کے سیات باطن صحیفہ میں مخفی رکھے جائینگے جنہیں صرف
وہی دیکھ سکے گا جب وہ اپنے سیات کو پڑھے گا تو اخیر پر لکھا پائے گا فَقَدْ
غَفَرْتُهَا لَكَ یعنی ہم نے تیرے سیات کو بخش دیا اور جب وہ اپنے حسنات
کو پڑھے گا تو اخیر پہ یہ لکھا پائے گا قَدْ قَبِلْتُهَا مِنْكَ یعنی ہم نے حسنات
کو قبول کر لیا تب وہ مارے خوشی کے اپنے اعزہ و احباب کو خطاب کر کے کہیگا
هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ۔

إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ

ترجمہ۔ بیشک میں نے یقین کر لیا تھا کہ میں اپنے حساب کو ملوں گا۔ یعنی مجھ سے میرے اعمال کا حساب لیں گے۔

ظن۔ اس حالت کا نام ہے جو بذریعہ علامات دل میں پیدا ہو اور وہ علامات
قوی ہوں تو علم کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور جب ضعیف ہوں تو وہم کی حد سے
تجاوز نہیں کرتا اور ظن بمعنے یقین قرآن مجید میں بعض مواقع پر مستعمل ہوا ہے
قال اللہ تعالیٰ وظن انه الفراق۔ اور پھر فرمایا وظن داؤد انما
فتناه یعنی داود علیہ السلام نے بذریعہ علامات قویہ کے یقین کر لیا کہ ہم نے
اس کا امتحان کیا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص آخرت پر ایمان نہیں لاتا
وہ اعمال حسنہ کے لئے بھی تکلیف نہیں اٹھاتا۔ اور درحقیقت اعمال کی قدر د

قیمت بھی تب ہی ہو سکتی ہے جبکہ ذخیرہ آخرت کی نیت پر بجا لائے جائیں ورنہ اعمال گو بظاہر اعمال صالحہ ہوں مگر اللہ تعالٰے کے نزدیک انکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی مثلاً وہ لوگ جو نام آوری اور شہرت یا تقرب حکام کی غرض سے اچھے اچھے کام کرتے ہیں بجائے اس کے کہ قیامت کو ان کے لئے مفید ہوں موجب عذاب ثابت ہوں گے افسوس ہے کہ مسلمانوں میں زاد آخرت کی نیت پر اعمال بجا لانے والے بہت ہی کم لوگ نظر آتے ہیں۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ آج میرے نامۂ اعمال میں سب حسنات میرے لئے رحمت الٰہی کا موجب ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یوم آخرت پر پورا یقین تھا اور اس لئے میں اس کے لئے تیاری میں لگا رہا۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ

سو وہ شخص راحت امر غوب خاطر زندگی میں ہو گا۔

عِيْشَة کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی زندگی ہو گی جس کی نوعیت دنیوی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو گی کیونکہ فِعْلَةٌ کا وزن مصدر عربی میں نوعیت کے لئے آتا ہے۔ حیات اور عیش میں فرق ہے کہ لفظ حیات عام حیوان کے لئے مستعمل ہے اور عیش مخصوص بالانسان۔ قال علیہ السلام لا عیش الا عیش الآخرۃ۔ یعنی زندگی حقیقی وہی ہے جو عالم آخرت میں ہو گی۔

راضیۃ کے معنے ذات الرضا کے ہیں یعنی ایسی زندگی جس میں زندگی والا ہر ایک طرح شادمان رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راضیۃ بمعنے مرضیۃ ہو جیسے دافق بمعنے مدفوق۔

واضح ہو کہ آخرت زندگانی کا دنیوی زندگانی سے ممتاز ہونا تین وجوہ پر مبنی ہے اول یہ کہ دنیوی زندگی کی طرح رنج و ملال سے مخلوط نہیں ہو گی۔ دوم دنیوی زندگی کی طرح قابل زوال نہیں ہو گی۔ سوم اس زندگی سے صاحب زندگی کی تعظیم و تکریم مقصود ہو گی نہ بطور استہزاء یا استدراج جیسے کفار و فساق کے ساتھ دنیا میں ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس زندگی میں نہ موت ہو گی نہ بیماری اور نہ وہ کسی رنج و ملال و حسرت سے مخلوط ہو گی۔

فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ قُطُوْفُھَا دَانِیَۃٌ
ایسی جنت عالی میں جس کے میووں کے خوشے قریب ہونگے

جملہ فی جنۃ عالیۃ یا تو جملہ حالیہ ہے یعنی وہ شخص جنت عالی میں ہونے کی حالت میں مرغوب خاطر زندگی پائے گا یا عیشۃ راضیۃ کے متعلق ہے۔
قطوف جمع ہے قطف بالکسر کی جس کے معنی ہیں عنقود یعنی خوشہ (گچھا) اور مطلق جو میوہ درخت سے اتارا جاتا ہے اس پر بھی اس کا اطلاق ہوا کرتا ہے۔
دانیہ دنو سے مشتق ہے جس کے معنے قریب ہونے کے ہیں۔
مطلب آیت کا یہ ہے کہ وہ شخص نہایت پاکیزہ زندگی جنت اعلیٰ میں حاصل کرے گا جس میں اس کی منشا کے مطابق ہر ایک قسم کے لذیذ میوے اس کے سامنے موجود ہوں گے اور دنیا کے میووں کے برخلاف بلا رنج و مشقت حاصل ہوں گے خلاصہ یہ کہ جس طریق پر وہ چاہے گا اسے حاصل ہوں گے۔

نعیم جنت کے منکرین

بعض لوگ جن کی طبیعت میں انکار کا مادہ ودیعت رکھا ہوتا ہے نعیم جنت کا انکار کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درحقیقت ان لذیذ چیزوں سے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہی چیزیں مراد نہیں بلکہ ان سے دلی خوشیاں مراد ہیں اور یہ الفاظ محض بطور تفہیم فرمائے گئے ہیں۔
ہم قبل ازیں مختلف مواقع پر لکھ چکے ہیں کہ یہ مذہب ان اہل فلسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور آج کل کے نیا چرہ نے بھی انہیں سے اخذ کیا ہے ان اہل فلسفہ کو اہل تخییل بولا کرتے ہیں۔ لیکن جہال نیا چرہ نے ہمیں آج تک اس امر کا پتہ نہیں دیا کہ الفاظ قرآن مجید کو کس بناء پر ان کے مقصودہ معانی سے پھیر کر اپنے فرضی معانی کی طرف لے جاتے ہیں اگر اپنی ناقص عقل کے رو سے حشر جسمانی کو محال باور کرتے ہوں تو یہ امر کسی طرح دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتا اور نہ درحقیقت قدرت باری ان کے دائرہ عقل میں محدود ہو سکتی اور اگر الفاظ قرآن کے معنی حقیقی ترک کرکے اپنا مذہب قائم کرتے ہیں تو انہیں کوئی دلیل قطعی پیش کرنی چاہئے۔ تعجب ہے کہ عالم دنیا میں ہر ایک قسم کی لذیذ اشیاء کا خالق تو ذات باری کو تسلیم کیا جائے اور عالم آخرت میں اس کو

نفی کر دی جائے۔ اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ عالم آخرت کے متعلق کوئی شخص اپنی عقل کے رو سے کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو شارع علیہ السلام کی بعثت غیر ضروری تھی پس مابعد کی زندگی کے متعلق بجز تعلیم وحی کے کسی اور امر کو حجت نہیں تسلیم کرنا چاہئے۔ یہ بالکل حق ہے کہ اگر حشر جسمانی ثابت ہو تو عذاب وثواب سب جسمانی تسلیم کرنے پڑیں گے مگر الفاظ قرآنیہ حشر جسمانی کو بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہیں لہٰذا عذاب وثواب سب جسمانی اشیاء ہوں گی ہاں صرف یہ بات ضرور ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہیں کی جا سکتیں کیونکہ وہ صرف نام میں دنیا کی نعمتوں سے ملتی جلتی ہیں ورنہ ان کی لذت ان سے بالکل الگ تھلگ ہوگی چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں میں سے ہمارے پاس دنیا میں صرف ان کے نام ہی نام ہیں ورنہ ہم ان کی حقیقت کو دنیا کی نعمتوں پر ہرگز قیاس نہیں کر سکتے مگر باایں ہمہ تمام اکابر علماء امت اس امر پر متفق ہیں کہ وہ جسمانی ہی ہوں گی۔

اس تقریر میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بعض وقت جو لوگ بعض اخروی نعمتوں پر نکتہ چینی کیا کرتے ہیں مثلاً بہت سی خوبصورت بیویوں کا ایک مرد کے لئے ہونا اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ انہیں اپنی موجودہ حالت زندگی اور حالات دنیوی پر قیاس کرکے انکار کر دیا کرتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان نعمتوں کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے تو اسے چاہئے کہ ان پر ایمان لانے سے انکار نہ کرے اور تاویلات واہیہ سے برطرف رہے۔ ہاں آج کل کے اکثر ملحدین کی مجلس پر کان نہ لگائے صحیح العقیدہ ہونا روحانی ترقی کی پہلی شرط ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ

کھاؤ اور پیو خوشگوار بدلہ ان اعمال صالحہ کا جو تم نے گذشتہ زمانہ میں کئے

اس آیت میں یہ دو نئے امر یعنی کلوا واشربوا بطور اظہار احسان وارد ہوئے ہیں یعنی اے وہ لوگو جو دنیا میں محض میری رضا حاصل کرنے کے لئے بھوک پیاس

اور دیگر تکالیف عبادات پر صابر رہ چکے ہو آج تمہیں اس کے عوض میں ہم اجازت دیتے ہیں کہ اپنی مرضی کے مطابق ہر ایک قسم کی لذت سے متنفع ہو۔
چونکہ عالم آخرت دار العمل نہیں ہوگا بلکہ دار الجزاء ہوگا اس لئے اللہ تعالےٰ نے تمام قرآن مجید میں کہیں کسی عمل آخرت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ہر ایک قسم کی لذت و خوشی کا ذکر فرمایا ہے جس میں کسی قسم کی تکلیف حسرت نہیں ہوگی بطریق لزوم اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کی لذتیں سب کی سب تکالیف و حسرت ہی ہیں اور بس۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَہْ وَ لَمْ
مگر جو شخص جو اپنا صحیفہ اعمال بائیں ہاتھ میں پایا جائیگا سو کہنے لگیگا کہ اے کاش میں صحیفۂ اعمال نہ دیا جاتا اور

اَدْرِ مَا حِسَابِیَہْ
مجھے اس حساب کتاب کا علم نہ ہوتا۔

دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال کے دئے جانے سے مطلب یہ ہے کہ چونکہ دائیں ہاتھ کی طرف اہل عرب ہر ایک قسم کی خیر و سعادت کو منسوب کیا کرتے ہیں اور بائیں ہاتھ کی طرف ہر ایک قسم کی شر و شقاوت کو اس لئے اصحاب یمین کی تعظیم مدنظر ہوگی اور اصحاب شمال کی توہین و تذلیل۔
بعض روایات میں آیا ہے کہ اصحاب شمال کا بایاں ہاتھ پیٹھ کی جانب کر کے پھیرا جائے گا اور پچھلی جانب سے اس کے ہاتھ میں صحیفۂ اعمال دیا جائیگا۔
آیت کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب الشمال لوگ جب صحیفۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے تو مارے رنج و حسرت کے یوں پکارنے لگیں گے کہ اے کاش مجھے نامۂ اعمال ہی نہ دیا جاتا اور نہ مجھے اس حساب کتاب کا علم ہوتا جس کے برے نتائج پیش آرہے ہیں۔ کفار و فساق اپنے اپنے نامۂ اعمال کو دیکھکر معلوم کرلیں گے کہ انہیں آج کس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا سو وہ دیکھتے ہی واویلا کرنا شروع کردیں گے مگر بے سود۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی رحمت اس آڑے وقت میں سہارا ہوگی۔

یَا لَیْتَہَا کَانَتِ الْقَاضِیَۃَ

اے کاش (وہ موت جو پہلے مجھے آچکی ہے) میرے لیے فیصلہ کرنیوالی ہوتی

القاضیۃ ای القاطعۃ لامری وحیاتی - ضمیر یا لیتہا کا موت کی طرف راجع ہے جو بدلالت حال محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص اپنے نامہ اعمال کو دیکھکر آثار عذاب کا کھلم کھلا مشاہدہ کرلے گا اور کوئی چارہ نہیں دیکھے گا تو یوں کہنے لگے گا کہ اے کاش جس موت سے میں پہلے مرچکا تھا وہی مجھ پر دوبارہ نازل ہوکر میری اس مصیبت کا فیصلہ کر دیتی یا ہمیشہ وہی حالت موت مجھ پر جاری رہتی تاکہ زندہ ہوکر یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا دنیا میں تو موت سے نفرت کیا کرتا تھا مگر جب عذاب آخرت نظر آنے لگا تو موت کو عزیز سمجھنے لگا کیونکہ عذاب کی حالت موت سے کہیں زیادہ ناگوار ہے -

مَا اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ

نہیں مفید ہوا مجھے میرا مال

مطلب یہ ہے کہ جو مال ودولت میرے پاس دنیا میں تھا اور جس سے میں ہر ایک قسم کی چارہ جوئی کرکے مصیبت سے بچ جایا کرتا تھا آج مجھے کچھ مفید نہیں ہوا - مفید نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا تو دار العمل تھا اور آخرت دار الجزا ہے - یہ مال ودولت دنیا کا انسان کو دنیا ہی میں مفید ہوسکتا ہے اگر انسان اس سے فائدہ اٹھائے تو بہت کچھ حسن آخرت کا ذریعہ ہوسکتا ہے ورنہ یہاں بھی وبال اور آخرت میں بھی موجب عذاب -

هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَہْ

ہلاک ہوگئی مجھ سے میری حجت

سلطان صاحب التسلط کو کہتے ہیں اور اس کے معنے حجت اور برہان کے بھی آیا کرتے ہیں -

مطلب یہ ہے کہ مجھے جو حکومت اور غلبہ دنیا میں حاصل تھا آج مجھ سے جاتا رہا اور میں عاجزوں کا عاجز رہ گیا اب مجھے کوئی قدرت نہ رہی جس سے میں اس عذاب کو دفع کرسکوں -

بعض مفسرین نے سلطان بمعنے حجت کو اس آیت میں راجح قرار دیا ہے چنانچہ ترجمہ میں ہم نے بھی وہی مذہب اختیار کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں دنیا میں برخلاف اہل حق کے جس حجت سے متمسک ہوا کرتا تھا آج وہ چلتی نظر نہیں آتی وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا میں منکرین جو حجت رکھتے ہیں وہ محض ضد اور عناد پر مبنی ہوتی ہے جس سے حق ان پر مخفی رہا کرتا ہے مگر قیامت کے دن اس قسم کی حجت باطلہ کا انہیں خود علم ہو جائے گا جس پر وہ یہ کہنے لگیں گے کہ واقعی ہم لوگ اپنی حجت میں راہ راست پر نہیں تھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حجت باطلہ کو حقیقۃً حجت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ حق کا راستہ نہیں بتلا سکتی اور حجت وہی ہے جو حق کو واضح کرے مگر یہاں محض بزعم کفار اسے حجت کہا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حجت کا منبع فی الحقیقت نور فطرت ہے جو بوجہ حجاب جسمانی کفار و فساق پر مخفی رہتی ہے مگر نور وحی جب نور فطرت پر سے حجاب کو دور کر دیتا ہے تو بجز حجت حقہ کے تمام حجج باطلہ محو ہو جاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کو وہ قوت دی جاتی ہے جو حق کی تائید کر کے باطل کا قلع وقمع کر دیتی ہے قال اللہ تعالیٰ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً اور نور فطرت کا نور وحی (کلام ربانی) سے روشن ہونا ایک امر فطری ہے چنانچہ آیۂ نورٌ علیٰ نورٍ میں انہیں ہر دو نور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نور فطرت کچھ کام نہیں دے سکتا جب تک نور وحی سے اس کو امداد نہ ملے اور یہی وجہ ہے کہ کفار و اہل بدعت و ہوا ہمیشہ ظلمت میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کی رفتار مستقیم نہیں ہو سکتی اس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص آنکھیں تو رکھتا ہو مگر اندھیری رات میں چراغ یا شمع کی روشنی سے کام نہ لے ظاہر ہے کہ اگر نادیدہ راستہ چلے گا تو کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچے گا لیکن اگر نور فطرت بہت ضعیف ہو تو بھی کامیابی محال ہے مثلاً اندھا یا ضعیف البصر بھی نور چراغ سے مستفیض نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ خیال نہایت مضبوط ہے کہ منزل مقصود یعنی معرفت ذات باری کیلئے نور فطرت اور نور وحی ہر دو اپنا کام کریں ورنہ کوئی امید بہتری کی نہیں ہو سکتی۔ یہ تقریر نہایت دقیق اور با معنے ہے ناظرین اسے خوب ضبط کریں۔ والتوفیق من اللہ تعالیٰ۔

التنویر لاسقاط التدبیر

ملحقاً بالسابق

ان بزرگواران پر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہوتے ہیں اور وہ اس کے جلال وجبروت کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور بطیب خاطر اس کی رضا کا دامن پکڑ لیتے ہیں کما قیل ؎

تجری علیك صروفه ✤ وھموم سرك مطرقه

یعنی تجھ پر اس کے حوادث جاری ہوتے ہیں اور تیرے دل کے ہموم وغموم دبے رہتے ہیں۔

اور جو شخص وصول الی اللہ کا طالب ہوتا ہے اس کے لئے واجب ہے کہ باب اطاعت سے تجاوز نہ کرے اور جو اسباب اس نے وصول کے لئے مقرر کر دیئے ہیں ان کی پیروی کرے اور اس بارہ میں سب سے اہم امر جس کا ترک واجب ہے اور جس سے سالک کو بالکل الگ تھلگ ہونا ضروری ہے تدبیر امور اور حکم ربانی کا مقابلہ ہے۔ میں نے اس کتاب میں اسی مسئلہ پر بحث کی ہے اور اسی کی اصلیت کو ظاہر کرنا میرا مقصود ہے اور میں نے اس کا نام التنویر فی اسقاط التدبیر رکھا ہے تاکہ اسم اور مسمیٰ میں مطابقت کا لحاظ رہے اور لفظ اور معنی میں مناسبت قائم ہو جائے اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اسکو محض اپنی ذات اقدس کے لئے قبول فرمائے اور بطفیل جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خواص وعوام کو اس سے فائدہ بخشے کیونکہ وہ اپنی مشیت پر قادر ہے اور قبول اعمال کا سزاوار ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اپنی قسم ہے تیرے رب کی کہ (یہ لوگ) ایماندار نہیں ہونگے تاآنکہ (اے پیغمبر) تجھے اپنے تنازعات میں فیصلہ کرنے والا مان لیں (اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جو فیصلہ تو کرے اس سے اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی (یا کدورت)

سے بیعت کرنا قرار دیا اور ید اللہ فوق ایدیھم سے اس کو موکد کیا۔ اور آیۂ
وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ میں اطاعت رسول کو عین اطاعت
ذات باری ارشاد فرمایا اسی طرح تکذیب رسول کو تکذیب ذات باری جا بجا
ثابت کیا نیز اس ترکیب اضافی لفظ رَبِّكَ میں حضور علیہ السلام کی عظمت
و فخامت کی طرف دوسرے طریق پر اشارہ کرنا مقصود ہے جیسے آیۂ ذِكْرُ رَحْمَتِ
رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا میں اپنے اسم مقدس کو حضور علیہ السلام کے اسم گرامی
کی طرف مضاف کیا ہے مگر اسی آیت میں ذکریا علیہ السلام کو لفظ عبدہ سے
یاد فرمایا ہے یعنی ذکریا علیہ السلام کے اسم کو اپنے اسم مقدس کی طرف مضاف کیا
جو مذکورہ بالا ترکیب کے برعکس ہے اور اس قلب ترکیب سے حضور علیہ السلام کا اظہار
فضیلت ذکریا علیہ السلام پر مقصود ہے۔

چونکہ روح انسانی فی حد ذاتہ انوار علمیہ سے منشرح ہوتی ہے اور فقدان
انوار پر اس میں تنگی آجاتی ہے اس لئے آیت مذکورہ بالا میں حکم رسول علیہ السلام
کے مان لینے کو اس قسم کی تنگی کے رفع کرنے کا ذریعہ بتایا کیونکہ ایمان صحیح کا ہرگز
یہ تقاضا نہیں کہ وہ حکم رسول سے انکار کرے وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت کا ہر
ایک حکم بمنزلہ ایک نور کے ہے جو قلب مومن کو منور کرتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب اللہ تعالے کسی بندہ کے حق میں یہ
ارادہ کرتا ہے کہ کسی حکم شریعت کی اطاعت میں اس کے قلب کو تقویت بخشے
تو اسکو اپنے انوار صفات کا لباس پہنا دیتا ہے جس سے وہ اپنے نفس کی خواہش
سے رہائی پاکر اللہ تعالیٰ کی توفیق کی پناہ میں آجاتا ہے اس لئے اس پر احکام شریعت
کے بوجھوں کا اٹھا لینا آسان ہوجاتا ہے اور مصائب اس پر آسان ہوجاتے ہیں
یا یوں کہو کہ جب اپنے بندہ سے احکام شریعت کی تعمیل چاہتا ہے تو اس پر نور
بصیرت کا فیضان کر دیتا ہے جس سے وہ احکام کی منفعت و مصلحت پر آگاہ ہوجاتا ہے
یا یوں کہو کہ اس کے عطیات کے واردات بندہ کو بلا و مصیبت کے متحمل ہونے
پر یاوری کرتے ہیں یا یوں کہو کہ وہ اپنے بندہ کو اپنی مرضی کے تابع بنانے کے لئے
خوبیٔ اختیار میں امداد کرتا ہے یا یوں کہو کہ بندہ کو اطاعت حکم پر یہ امر مجبور کرتا ہے۔

کہ اللہ تعالےٰ کو اس کا علم ہے یا یوں کہو کہ وہ اس لئے تکالیف شرعیہ پر صبر کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہا ہے یا یوں کہو کہ ان احکام کے متحمل پر اس کو یہ امر صبر دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انوار جمال سے اس پر اپنا ظہور فرماتا ہے یا یوں کہو کہ قضاء الٰہی پر اس وجہ سے صابر ہوتا ہے کہ یہ قضاء موجب رضاء الٰہی ہے یا یوں کہو کہ تکالیف شرعیہ پر بندہ اس لئے صابر ہوتا ہے کہ اسرار قضاء ازلی اس پر منکشف ہو جاتے ہیں یا یوں کہو کہ حجاب وجوہ مصالح پر سے اٹھا دیا جاتا ہے یا یوں کہو کہ بندہ پر اللہ تعالےٰ کے لطف وکرم کے نزول کا طریق واضح ہو جاتا ہے۔ یہ اسباب جو بہ تغیر الفاظ قریباً ایک ہی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں بندہ کو اطاعت الٰہی پر صابر بناتے ہیں ذیل میں ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ کسی قدر تفصیل دیجاتی ہے تاکہ ناظرین کے لئے موجب بصیرت ہو۔

(۱) انوار صفات جب بندہ پر وارد ہوتے ہیں تو اس پر قرب حق کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اسے اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ احکام شرعیہ اس کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں اور اس بات کا علم اس بندہ کے لئے موجب اطمینان ہو جاتا ہے اور اس لئے وہ بہر صورت صبر کو اپنے لئے نافع سمجھتا ہے دیکھو اللہ تعالےٰ حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا یعنی اپنے رب کے حکم پر صابر رہو کیونکہ تو ہمارے زیر نظر ہے (ہم تیرے حالات کے نگران ہیں) اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ احکام شریعت جو ہم تجھ پر نازل فرماتے ہیں کسی غیر کی طرف سے نہیں جنکی بجا آوری ناگوار خاطر ہو بلکہ وہ تیرے ایسے آقائے مہربان کے احکام ہیں۔ جس کا فضل تجھ پر بے شمار ہے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں بندہ پر اپنے آقا کی اطاعت ہرگز شاق نہیں گذرتی۔ سلاطین دنیا کی مثال سے قیاس کر لو کہ جب ملازم اپنے سلطان کی متواتر مہربانیوں کا مورد ہوتا ہے تو اس کے کسی حکم تعمیل کو دشوار نہیں سمجھتا بلکہ جان دے دینا بھی اس پر آسان ہو جاتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وخفف عنی ما الاقی من العناد ۔ بانك انت المبتلی والمقدر

یعنی اس بات نے مجھ پر سے تکالیف کو کم کر دیا کہ تو امیرا حبیب یا آقا میرا امتحان کرتا ہے اور ان تکالیف کا اندازہ کر کے مجھ پر نازل فرماتا ہے۔

دیکھو اگر شب تاریک میں کوئی شخص پٹ رہا ہو اور نہ جانتا ہو کہ پیٹنے والا کون ہے تو وہ کیسا غضب آلود ہوگا۔ مگر جب اسے معلوم ہو جائے کہ پیٹنے والا اس کا شیخ یا استاد یا والد مہربان ہے تو اس کا تمام غضب کافور ہو جاتا ہے۔

(ب) جب اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر کسی حکم شرعی کو وارد کرتا ہے اور وہ اس پر کاربند ہوتا ہے اور اس حکم کی مصلحت کا فہم اسے عطا فرما دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اسکو اس بات کا یقین بھی دلاتا ہے کہ وہ اس حکم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اپنے اوپر لازم کرتا ہے نہ کسی غیر کی طرف سے۔ کیونکہ فہم عطا فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ وہ فہم بندہ کو اس حکم میں اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع دلاتا ہے اور اس کی طرف شوق کو ابھارتا ہے اور اسے متوکل علی اللہ بنا دیتا ہے اور جب یہ حالت ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ اس کا متکفل ہو کر اسکا نگران ہو جاتا ہے اور تمام اغیار پر اسے غلبہ دیتا ہے۔ یہیں سے بندہ پر حقیقت عبودیت کا انکشاف ہونے لگتا ہے قال اللّٰہُ تعالیٰ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ یعنی کیا اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں اس آیت میں لفظ عبد سے اس امر کیطرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کافی ہونا بندہ کے لئے اسی وقت متصور ہے جب بندہ مقام عبودیت میں ثابت قدم ہو جائے۔

(ج) اللہ تعالےٰ کے عطایا جو اس نے اپنی حکمت کاملہ سے کسی سعادتمند کیلئے مقدر کر رکھے ہیں جب بندہ پر وارد ہوتے ہیں تو اسے احکام شریعت کی بجا آوری پر اعانت کرتے ہیں کیونکہ جس طرح وہ عطایا کو جو انسان کے مرغوب خاطر ہیں مقدر کرتا ہے اسی طرح احکام کی تکلیف پر صبر کرنے کو بندہ کے دل پر محبوب بنا دیتا ہے قال اللہ تعالےٰ اَوَلَمَّا اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت پر جو مجاہدین کو پہنچی اس فتح و ظفر سے جو انہیں کفار پر دو دفعہ حاصل ہو چکی تھی صبر دلایا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اثنائے مصیبت میں واردات غیبیہ کی وجہ سے مصیبت

پر صبر کرنے کا اجر عظیم بندہ پر منکشف ہوجاتا ہے جس سے اس کو ثابت قدمی اور استقلال اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور نہایت بایں اور وہ تبتی اکرامات و انعامات کا مورد بن کر اس مصیبت کی زیادتی اور ترقی کا خواہاں ہوتا ہے چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے مرض کی حالت میں یوں دعا کی کہ "خدایا اپنے غضب کو اور بھی مضبوط کرئیے" اور بعض عارفین سے مروی ہے کہ جب بیماری کی حالت میں واردات غیبیہ بکثرت ہونے لگے تو یہ خواہش کی کہ یہ بیماری دور نہ ہو تاکہ انعام واکرام الٰہی کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے۔

(د) جب بندہ کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حُسنِ اختیار سے مجھ پر مصیبت عاید کی ہے تو اسے یہ علم بھی ہوجاتا ہے کہ اس مصیبت سے اللہ تعالےٰ کو بندہ کی تکلیف مدنظر نہیں کیونکہ وہ اپنے بندہ پر بہت ہی مہربان ہے چنانچہ ایک دفعہ جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جو بچہ اٹھائے ہوئے تھی تو فرمایا کہ کیا تم لوگ یہ باور کرتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچہ کو آگ میں پھینک سکتی ہے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر اس ماں کے بچہ پر مہربان ہونے کی نسبت کہیں زیادہ مہربان ہے۔ ہاں اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر تکالیف بھیجتا ہے کیونکہ انہیں تکالیف کو اس نے اپنے انعام واکرام کا ذریعہ بنایا ہوتا ہے کیا وہ خود قرآن مجید میں یہ ارشاد نہیں فرما چکا اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَاب۔ یعنی (عبادت یا مصیبت پر) صبر کرنے والوں کو کامل اجر دیا جاویگا۔

اگر اللہ تعالےٰ بندوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیتا تو یقیناً بہت سے انعامات واکرامات سے محروم رکھے جاتے اور کبھی جنت کے مستحق نہ ہوتے سو ہمیں اس کی حمد کرنا چاہئے کہ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے حسن اختیار کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے قال اللہ تعالےٰ عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔

لہ حضرت مجدد سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں جب میں قلعہ گوالیار میں محبوس تھا تو واردات غیبیہ اس کثرت سے ہونے لگے کہ پہلے کبھی ایسی صورت پیش نہیں آئی ایسی حالت اہل ظاہر کے نزدیک مصیبت ہوتی ہے مگر مقربین کے حق میں راحت و سرور ہے ۱۲ منہ

یعنی جس چیز کو تم ناپسند رکھتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا
شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ۔ یعنی جس چیز کو تم دوست رکھتے ہو وہ تمہارے حق میں بُری
ہے۔ دیکھو کہ مہربان باپ اپنے بیٹے کو جرّاح یا طبیب کے حوالہ کر دیتا ہے اور
وہ اس کے بیٹے کو نشتر لگاتا یا کوئی تیز مرہم استعمال کرتا ہے جس سے بچہ بظاہر
عارضی تکلیف پاتا ہے مگر درحقیقت اس کی خیر خواہی مضمر ہوتی ہے۔ اسی طرح
اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی مراد سے محروم رکھتا ہے تو اس حرمان میں عین
رحمت اور عطا ملحوظ ہوتی ہے۔ ماں بچہ کو کسی لذیذ غذا کے کھانے سے روکتی
ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ بچہ کی جان معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ شیخ ابوالحسن
شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر کو بالیقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ کبھی
بندہ کو بوجہ بخل محروم نہیں رکھتا بلکہ اس میں عین رحمت مضمر ہوتی ہے لیکن
بجز عارف صدیق کے کوئی شخص اس نکتہ پر آگاہ نہیں ہوسکتا۔ الغرض بندہ
کو جب یہ علم ہو جاتا ہے کہ مصیبت میں مبتلا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو ارحم الراحمین
ہے تو پھر اسے صبر مطلقاً ناگوار نہیں گذرتا۔

(۷) بندہ کو جب یہ علم ہو جاتا ہے کہ مبتلا کنندہ خود ذات باری عز اسمہ ہے اور
وہ علیم ہے تو اس پر مصیبت کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے چنانچہ آیہ وَاصْبِرْ
لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا میں حضور علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے کہ تم قریش
مکہ کی تکذیب اور اذیت پر صبر کرو کیونکہ ہم سے یہ معاملہ مخفی نہیں۔ ایک عارف کی
نسبت مشہور ہے کہ کسی عقوبت میں جب انہیں تازیانے لگائے جا رہے تھے
تو انہوں نے ننانوے تازیانے لگنے پر ہائے تک نہ کی مگر جب سو واں تازیانہ لگا
تو چلا اٹھے۔ جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ ننانوے کے لگنے
تک وہ شخص مجلس میں موجود تھا جس کی خاطر میں ضرب تازیانہ کا تختۂ مشق
بن رہا تھا لہذا مجھے کوئی الم محسوس نہیں ہوا لیکن جب وہ چلا گیا تو آخری ایک
ضرب سے سخت درد محسوس ہوا۔

(۸) جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر کسی صفت سے تجلی فرماتا ہے تو بندہ کو بوجہ
غایت حیرت کے الم کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایک گونہ محویت غالب آکر اس کو

غلبۂ مصیبت کے اثر سے غائب کر دیتی ہے دیکھو اللہ تبارک و تعالےٰ زنانِ مصر
کی بابت جبکہ وہ جمال یوسف علیہ السلام سے اثر پذیر ہو کر متحیر ہو گئیں فرماتا ہے فَلَمَّا رَأَيْنَهُ
أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ یعنی جب ان عورتوں نے جمال یوسفی کا مشاہدہ کیا تو
حیرت زدہ ہو کر بجائے نارنگی کاٹنے کے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے لگ گئیں یہی حال
ان حضرات کرام کا ہے جو مقام[1] تجلیٔ صفات میں ہوتے ہیں۔
(ز) اللہ تعالےٰ اپنے مقبول بندوں کو رضا بقضا پر صابر رہنے کی ہدایت فرما دیتا
ہے جس سے وہ باوجود ناگوار سمجھنے کے نہایت خوشی سے اس کو برداشت کر لیتے
ہیں جیسے تلخ دوا کو مریض باسانی پی لیتا ہے کیونکہ وہ اس سے شفاء عاجل کا
امیدوار ہوتا ہے۔
(ح) جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندہ کو احکام کے متحمل ہونے پر قدرت
عطا فرمائے تو اس کی چشم بصیرت پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے جس سے وہ اپنے مقام
قرب کو دیکھ لیتا ہے اور اس مقام میں جو انس اس کو مشہود ہوتا ہے اسے درد و الم
کے احساس سے غائب کر دیتا ہے کیونکہ جمال الٰہی کا انس ایک ایسی حقیقت ہے
جس کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے چنانچہ بعض اہل عرفان نے لکھا ہے کہ اگر بالفرض
اہل جہنم کو جمال الٰہی کا انس حاصل ہو جائے تو الم نار کا انہیں مطلقاً احساس رہے
اور اسی طرح اگر بالفرض اہل جنت کو انس جمال سے محجوب کر دیا جائے تو جنت انکیلئے
ناگوار ہو جائے پس اصل عذاب یہی ہے کہ بندہ جمال الٰہی کے انس سے محروم کر دیا
جائے اور دیگر انواع عذاب اسی عذاب عظیم کے مظاہر ہیں اسی طرح اصل نعیم
تجلی انوار الٰہی کا نام ہے اور دیگر انواع نعیم اسی نعمت عظمیٰ کے مظاہر سمجھو۔
(ط) کچھ شک نہیں کہ عبادات مختلف قسم کی تکالیف ہیں اور ان میں اوامر کا
بجا لانا اور نواہی سے باز رہنا اور احکام پر صبر کرنا اور انعام پر شکر گزار ہونا داخل
ہیں گویا ان عبادات یا تکالیف کی چار صورتیں ہیں۔ طاعت۔ معصیت۔ نعمت۔ بلا

---

[1] بعض عارفین کی نسبت مروی ہے کہ انہیں ایک عضو پر زخم تھا جراح نے اس عضو کا کاٹ
دینا مناسب سمجھا حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت شیخ میں درد کے برداشت کرنے کی طاقت
نہیں لہذا کاٹنا مناسب نہیں شیخ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی قراءت کرو اور بلا تامل عضو کاٹ دو۔

اور ان ہر سہ امور میں اللہ تعالیٰ کا بندہ پر ایک حق عبودیت ہے جو بمقتضائے ربوبیت
عائد کیا گیا ہے چنانچہ طاعت میں تو حق عبودیت یہ ہے کہ توفیق طاعت کا احسان
ملحوظ رکھے۔ اور معصیت میں حق عبودیت کی صورت یہ ہوگی کہ بندہ استغفار کرے
اور بندہ مصیبت میں صبر اسی طرح نعمت میں حق عبودیت یہ ہے کہ شکر بجا لائے
اور ان تمام امور حقوق کو یہ امر سہل بنا دیتا ہے کہ بندہ کو فہم کامل ذات باری
سے عطا ہو کیونکہ جب بندہ کو یہ نکتہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ عبادات کا نتیجہ بالآخر
بندہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے پابندی احکام میں کوئی تکلیف محسوس
نہیں ہوتی اور جب بندہ کو اس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب اور
اس پر اصرار کرنا اس دنیا اور عالم آخرت میں موجب عقوبت ہے تو پھر وہ ترک
معصیت پر مجبور ہوتا ہے اور جب اسے اس امر کا علم ہوجاتا ہے کہ صبر کی تکلیف
کا ثمرہ صابر ہی کی طرف عائد ہوا کرتا ہے تو وہ احکام کی بجا آوری میں سبقت کریگا
اور جب اسے یہ علم ہوجاتا ہے کہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ
کا وعدہ ہے تو وہ اس کے لازم پکڑ لینے میں پوری سعی کرے گا۔

یہی وہ نکتہ ہے کہ ہر ایک قسم کی تکالیف میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ
سے لطف و کرم کو مخفی رکھا ہے چنانچہ آیہ عسیٰ ان تکرھوا.... الآیۃ میں اوپر
مذکور ہوا اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا حُفَّتِ الْجَنَّۃُ
بِالْمَکَارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّہَوَاتِ یعنی جنت تکالیف کے اندر گھری ہوئی
ہے اور جہنم لذائذ نفسانی کے اندر احاطہ کی گئی۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ بلائے
بہاری۔ [illegible] میں لطف و کرم کے وہ اسرار پنہاں ہیں جن کو اولو الابصار کے سوا
کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا کیا تم دیکھتے نہیں کہ مصائب تکالیف نفس انسانی کو کس طرح
نرم بنا دیتی ہیں اور اس کو خطوط معصیت سے روک دیتی ہے اور نفس کا ذلیل ہونا
جناب باری رب العزت میں موجب عزت ہے پس جب نفس کو ذلت حاصل
ہوجاتی ہے تو نصرت الٰہی بندہ کے شامل حال ہوجاتی ہے۔ پڑھو اللہ تعالیٰ
[illegible] وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ یعنی اللہ تع

[illegible]

نے تمہاری نصرت غزوۂ بدر میں کی بحالیکہ تم ذلیل تھے اور یہ ایک عجیب نکتہ ہے؛

باب عظماء الاسلام

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

آج ایک ایسے جلیل القدر اور نامور شخص کی زندگی کے حالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے نمایاں کارنامے اسلامی تاریخ کے اوراق کو قیامت تک مزین کرتے رہیں گے ہمارے تعلیم یافتہ اصحاب اکثر مغربی ناموروں کے نظائر سے اپنی تقریروں اور لکچروں کو مضبوط بنایا کرتے ہیں مگر کس قدر افسوس ہے کہ انھیں اپنے ان اسلاف کے حالات زندگی کا بہت ہی کم علم ہوتا ہے جن کے نظائر بلا مبالغہ دیگر اقوام کے مشاہیر رجال کے کارناموں سے بدرجہا قابل عزت ہوتے ہیں کیونکہ اسلامی مشاہیر دنیوی زندگی کے ساتھ دینی پاک زندگی کا تمغہ بھی زیب حال کئے ہوئے ہیں اور یہ فخر انہیں دنیا میں بمقابلہ دیگر اقوام کے زیادہ قابل توجہ اور قابل تقلید ثابت کرتا ہے۔ ایک محقق مورخ کا صرف یہی فرض نہیں ہوتا کہ وہ رطب و یابس کسی قوم یا شخص کے متعلقہ حالات و اسباب و نتائج کو ایک جگہ جمع کر دے بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ دنیا کی مختلف قسم کی زندگیوں کے نمونے کن وجوہ پر قابل تقلید اور قابل ترک سمجھے جاتے ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے (اور غالباً صحیح ہے) کہ اسلامی مورخین نے اس اہم مبحث کو بقدر ضرورت ہر ایک موقع پر ملحوظ رکھا ہے اور ان کے دیکھا دیکھی گذشتہ چند صدیوں سے مغربی مورخین نے بھی ان کی تقلید کی ہے تاریخ نویسی تو مسلمانوں کی گھٹی میں داخل ہے اور جس نے اسلامی کتب تواریخ کا مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس امر سے باخبر ہوگا

لے غزوۂ احد میں بدر کے برخلاف مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا تھا اور اس کی وجہ بھی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بتلا دی ہے کہ تمہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا تھا جو نفس کی بڑائی اور فخر کا نتیجہ ہے اور یہ حالت نصرت الٰہی کے منافی ہے ۱۲ منہ

کہ فن تاریخ کے تدریجی اسباب مسلمانوں میں کیا تھے؟ مگر میں پھر واضح کئے دیتا ہوں کہ مسلمان مورخین کی اس فن عظیم میں کامیابی کے مختلف اسباب میں سے اہم سبب یہ تھا کہ انہوں نے شریعت اسلامی کے تنقید و تدوین کی خاطر مال کلام جانفشانیوں سے کام لیا اور یہ بات دیگر اقوام کے اہل سیر و تواریخ کو حاصل نہیں ہوسکی اور اگر اس واقعیت کا کوئی شورہ پشت متعصب انکار کرنے لگے تو اس کے منہ توڑنے کے لیئے آفتاب سے زیادہ روشن براہین و دلائل کا سلسلہ ہمارے پاس موجود ہے جس کا یہاں درمیان لانا ہمارے موجودہ مبحث سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میں اپنے مسلک سے کسی قدر دور جا پڑا ہوں لہذا اس بحث کو ترک کر کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بےنظیر نامور کے حالات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

اصل و نسب ابو سلیمان خالد بن ولید بن مغیرہ بن عمرو بن مخزوم قرشی مخزومی ان کی ماں کا نام لبابۃ الصغریٰ ہے جو بنی ہلال کے ایک مشہور شخص حارث بن حزن کی بیٹی اور میمونہ بنت حارث زوج جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھی خالد اولاد عباس بن عبد المطلب کے خالہ زاد بھائی تھے یعنی لبابۃ الکبریٰ انکی ماں کی بہن تھی جو عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں

شرافت قومی خالد بن ولید منجملہ ان اکابر قریش کے تھے جو زمانہ جاہلیت میں قوم کے معظم خیال کئے گئے تھے چنانچہ قبہ[1] اور اعنۃ الخیل کی سر پرستی ان کے متعلق تھی اور جنگ بدر اور احد اور خندق میں جبکہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے مشرکین مکہ کی طرف سے سپہ سالار تھے اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد غزوات میں شامل ہوتے رہے خالد اپنی قوم میں شجاعت اور ہر دلعزیزی میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اصول حرب میں بڑے ماہر اور تجربہ کار تھے اور بسا اوقات شدت طبع کی وجہ سے وہ بعض معاملات انتظامیہ میں جلد بازی بھی کر جایا کرتے تھے یہی وجہ سبب کہ اسلام لانے پر غزوات شام میں بزمانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے مالک

[1] زمانہ لڑائی کے وقت شہر سے باہر خیمہ لگا دیتے اور اس میں سامان حرب جمع کیا کرتے اس کو قبہ کہا کرتے۔ اور اعنۃ الخیل سے سپہ سالاری کی خدمت مقصود ہے ۱۲ منہ

بن لنویرہ کے بارے میں جو جلدبازی ظہور میں آئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکو اچھا نہ سمجھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ پہلے ہم اس واقعہ کو لکھ آئے ہیں مگر بعد میں خالد کی طبیعت میں بہت کچھ نرمی اور مدارات آگئی تھی چنانچہ غزوات فارس وروم میں ان کا حسن سلوک اس امر پر شاہد ہے

آپ کا اسلام اور جماعت صحابہؓ میں داخل ہونا۔

خالد رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت میں مورخین کا اختلاف ہے بعض نے ۸ سنہ ہجری لکھا ہے اور بعض نے ۵ سنہ ہجری اور بعض نے ۶ سنہ ہجری اور یہی اقرب و انسب ہے کیونکہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور عمرۂ حدیبیہ ماہ ذوالقعدہ ۶ سنہ ہجری میں تھا سبحان اللہ! اللہ جل شانہ کی قدرت کا تماشہ ہے کہ جو شخص مشرکین کی فوج کا سپہ سالار تھا آج اسلام لانے کی خاطر عمرو بن عاص اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کے ساتھ مل کر جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بماہ صفر حاضر ہوتا ہے حضور علیہ السلام ان لوگوں کو دیکھ کر جماعت صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا رَمَتْكُمْ مَكَّةُ بِاَفْلاذِ كَبِدِهَا یعنی مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دئے۔

زمانۂ نبوی میں آپ کا مختلف جہادوں میں شامل ہونا

جب خالد اسلام لے آئے تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اسلامی لشکر کے ساتھ جس کے سپہ سالار زید بن حارثہ تھے رومیوں کے مقابلہ پر شام کی طرف روانہ فرمایا چنانچہ وہاں ایک سخت لڑائی کا اتفاق ہوا جو اسلامی تاریخ میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے اس لڑائی میں زید تو شہادت پا گئے اور جعفر ابن ابی طالب امیر لشکر قرار پائے جب جعفر بھی شہادت پا گئے تو عبد اللہ بن رواحہ سپہ سالار مقرر ہوئے عبد اللہ بھی شہید ہوئے اور سپہ سالاری کے لئے خالد متعین کئے گئے۔ خالد اس لڑائی میں اس مردانگی کے ساتھ لڑے کہ مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے چنانچہ سات تلواریں آپ کے ہاتھ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس داد شجاعت کے خوشی میں سیف اللہ کا معزز خطاب عطا فرمایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی جتلایا گیا تھا کہ فلاں فلاں امراء مقتول ہو گئے

چنانچہ حضور نے بر سر منبر اس امر کا پتہ دیا کہ زید اور جعفر اور عبداللہ شہادت پائیں گے اور سیف اللہ خالد بن ولید کے ہاتھوں پر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خالد جب سے اسلام میں داخل ہوئے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بمقابلہ مخالفین سپہ سالار مقرر فرمایا کرتے چنانچہ وہ ہمیشہ مقدمۃ الجیش پر متعین رہتے فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا اور یہ ارشاد ان کی نسبت پہلی دفعہ سپہ سالاری کا تھا کہ تم اسفل مکہ کی طرف سے شہر میں داخل ہو خالد کے ساتھ اس موقع پر اسلم۔ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ اور دیگر قبائل عرب کے لوگ تھے۔ مخالفین میں سے عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو مقابلہ پر ایک بڑی جماعت کے ساتھ لڑنے مرنے کو تیار کھڑے تھے مگر خالد نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ ان کے تیرہ بہادروں کو تہ تیغ کیا اور مخالفین خالد کے حملوں کی تاب نہ لاکر بھاگ نکلے۔

جب مکہ فتح ہوگیا اور بڑے بڑے سرداران قریش جو جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے مطیع ہوگئے تو حضور علیہ السلام نے اطراف مکہ کے قبائل عرب کو دعوت اسلام کی چنانچہ مختلف آدمیوں کو ان کی طرف روانہ کیا گیا آپ نے خالد بن ولید کو بنی خذیمہ کی طرف بغرض دعوت روانہ فرمایا مگر خالد وہاں پہنچ کر ان لوگوں سے میدان مقابلہ میں اتر پڑے اور ان کے چند ایک آدمیوں کو قتل کیا جب جناب پیغمبر علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر بدیں الفاظ دعا کی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ یعنی خدایا میں خالد کے سلوک سے تیرے حضور میں برئیت چاہتا ہوں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقتولین کے وارثوں کے پاس مال دیت (خون بہا) دیکر روانہ فرمایا جب خالد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو اپنی غلطی کا اقرار کرکے عذر خواہی کی اور عرض کیا کہ عبداللہ ابن حذافہ سہمی نے مجھے حضور کی طرف سے یوں ہی پیغام پہنچایا تھا۔

مقام بطن نخلہ میں ایک بڑا بت خانہ تھا جس میں عزیٰ (جس کا نام ہے)

رکھا تھا اور قریش۔ کنانہ۔ مُضر اس کی بڑی تعظیم کیا کرتے اور بنو شیبان جو بنو ہاشم کے حلیف تھے اس بت خانہ کے پوجاری اور خدام تھے حضور علیہ السلام نے خالد کو اس بت خانہ کی تخریب کے لئے روانہ فرمایا خالد نے وہاں پہنچ کر اللہ اکبر کی ایک ضرب سے عُزّیٰ کو پاش پاش کر دیا اور یہ شعر پڑھا

شعر

یا عُزّ کفرانکِ لا سبحانکِ ٭ انی رایت اللہ قد اھانکِ

یعنی اے عُزّیٰ میں تیرا انکار کرتا ہوں اور تجھے پاک نہیں کہتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تیری ذلت ظاہر فرمائی ہے۔

غزوہ حنین میں خالد بنی سلیم کے مقدمۃ الجیش پر متعین تھے اس غزوہ میں خالد زخمی ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت فرمائی اور اپنے آب دہن سے ان کے زخموں کی چارہ جوئی کی خالد بالکل تندرست ہو گئے۔

نیز حضور نے انہیں اکیدر بن عبد الملک کی طرف روانہ فرمایا جو دومۃ الجندل کا حاکم تھا خالد نے وہاں پہنچ کر اسے قید کر لیا اور حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر کیا اکیدر نے قبول جزیہ پر صلح کی اور پھر اپنے علاقہ پر بدستور بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد سنہ ۱۰ ہجری میں حضور علیہ السلام نے انہیں بنی حارث بنی کعب کی طرف علاقہ نجران میں بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت کرو اگر وہ قبول کر لیں تو وہیں ٹھہرو اور انہیں کتاب و سنت سکھلاؤ اور اگر انکار کریں تو ان سے لڑو۔ چنانچہ خالد یہ ہدایات عالیہ لے کر چل پڑے وہاں پہنچ کر خالد نے اپنے سواروں کو مختلف اطراف میں پھیلا دیا جنہوں نے عامۃ الناس کو دعوت اسلام دی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور خالد حسب ہدایات وہیں سکونت پذیر ہوئے اور حضور کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ متضمن حالات ارسال کیا جس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے انہیں لکھا کہ تم اور بنو لوگ تمہارے ساتھ آنا چاہیں ساتھ لے آؤ چنانچہ خالد واپس مدینہ آئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت وہاں کے لوگوں کی حاضر خدمت اقدس ہوئی جن میں قیس بن حصین اور یزید بن عبد المدان اور یزید بن المجل وغیرہم لوگ شامل تھے۔

الغرض خالد ہمیشہ جناب بنوی کی خدمت اقدس میں رہا کئے اور میدان حرب میں مخالفین اسلام کا مقابلہ کرتے رہے خالد ہمیشہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی خوشنودی مزاج میں ساعی رہتے حتی کہ حضور علیہ السلام دنیا سے انتقال فرما گئے اور بعد میں خالد کے ہاتھوں پر وہ اسلامی فتوحات ظاہر ہوئیں جن کا ذکر ہم انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ کرینگے۔

اسلام وحریت

ماخوذ از البیان

خلاص حافظ ازین زلف تابناک مباد
که بستگان کمند تو رستگار انند (حافظ)

اسوقت عام خیال یہ ہے کہ مذہب قید ہے اور پابندی مذہب بالعموم مانع ترقی۔ افسوس تو یہ ہے کہ بعض تعلیم یافتہ مغربی روشنی کے دلدادہ مسلمان بھی اسی خیال غلط میں پڑے ہیں۔ اسی بنا پر آزادی یورپ کی جا بجا مدح سرائی ہے اور قید مذہب کی آزادگی حاصل کرنیکا وعظ ہوتا ہے۔ ہمارا مطلب یہاں آزادی کے مختلف پہلوؤں کو بالاجمال دکھلانیکا ہے اور بعد کو سلف صالحین کے لائف و کیرکٹر سے اسکا ثبوت دیتا ہے کہ اسلام نے کسقدر آزادی خیال عمل بخشی ہے نیز عطا کی اور کسطرح اسلام نے زندہ مثالیں ان اصول پر کاربند ہونیکی وجہ سے پیدا کر کے دنیا کو دکھلادیں اور اپنی صداقت کا عملی ثبوت دیا۔

آزادی کا تعلق خصوصاً (۱) آزادی خیال (تھاٹ) آزادی قول (اسپیچ) آزادی عمل اور یہی مہتم بالشان مسائل آجکل بہت زوروں سے معرض بحث میں ہیں۔

آزادی کی بنا مسئلہ مساوات حقوق بنی آدم پر ہے یعنی فرد انسان بلا لحاظ رنگ و قوم و ملک حقوق میں مساوی ہے اور فطرتاً اسکو قواء عملی و عقلی دی گئی ہیں ان کے تصرف کرنے ترقی دینے اور استفادہ حاصل کرنیکا یکساں حق رکھتا ہے۔ یہی حقوق خلقی یا پیدائشی کے نام سے موسوم ہیں۔ اور آزادی کے مدعیان کو سب سے اول انہی حقوق کا تسلیم کرنا پڑتے ہیں۔

مگر چونکہ انسان مدنی الطبع ہے لہذا عملی تعلقات زندگی میں ہر شخص کے ذاتی حقوق آزادی کا من کل الوجوہ یعنی نفع عامہ خلائق کے تابع ہے اسکی تشریح یہ ہے کہ اگر کسی فرد کی ذاتی آزادی کے خلاف دمضرت رساں ثابت ہوتی ہے تو وہ شخص اس آزادی سے مستفید ہونیکا بحیثیت مدنی الطبع حیوان (انسان) کے مجاز نہیں ہو سکتا بموجب قانون فطرت کے

الارتفاقات التی بنی علیہا نظام الانسان وکل عمل یفید حالۃ الانقیاد ویدفع الحجب والآثم وکل عمل یفعل الانسان تقنیۃ الانقیاد وللشیطان وتیسیر دترفیا نی مرادہ وکل عمل یجری علیہ شر فی الدنیا والآخرۃ وکل عمل ینسد الارتفاقات وکل عمل الغیر تقنیۃ متضمنۃ للانقیاد ویولد الحجب لہ

اس تنگ سے ایک امر نہایت ضروری یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً ہر خواہش کا فنا کرنا اور اپنے روزانہ زندگی کی خوشیوں کو چھوڑ دینا سچے اصول زندگی کے خلاف ہے اسیوجہ سے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اور یہی اسلامی اخلاق کا معیار ہے اسلام کا اصول وہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے وان السعادت الحقیقۃ ھے انقیاد البہیمیۃ للنفس الناطقۃ واتباع الھویٰ للعقل وکون النفس الناطقۃ قاھرۃ علی البہیمیۃ۔ والعقل غالباً علی الھویٰ وسائر الخصوصیات ملغاۃ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب مبحث السعادۃ)

یورپ کے مشہور صحیح الخیال فلاسفروں کا بھی یہی عقیدہ ہے اور ہماری اسلام کے مایۂ ناز امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں اس مسئلہ کو پانچویں صدی ہجری ہی میں بہت زور شور سے لکھا کہ نعمت حقیقی حصول غایت مقصود بالذات ہے اور دیگر اشیاء مثل مال و دولت و جاہ و حشم و حکومت۔ اولاد وغیرہ وغیرہ بوجہ غایت مقصود بالذات کے جانب وسیلہ ہونیکے نعمت ہیں اور اسیوجہ تفاوت مدارج بھی انہی نسبت قرب کے اعتبار سے ہے وسیلہ سے مراد یہ ہے کہ وہ تکمیل حیات انفسانیہ میں ہرج نہیں دیتے بلکہ حصول میں معین ہیں۔ عاشقان ہر دم رضای دوست میدارند دوست

وعدہ دیدار چون آمد بجنت لاجرم :: عاشقان جنت برای دوست میدارند دوست

عاشقان جمال شاہد حقیقی کا تو یہ قول ہے ان کان الجنۃ بلا دن جمالہ ووصالہ فوا ویلاہ۔ وان کان الجحیم مع وصالہ فوا شوقاہ "

از سر کوئیش اگر سوی بہشتم می برند :: پای ننہم کاندرین جا وعدہ دیدار نیست

نعمتہای اخروی کو بھی انہوں نے اسی قانون کے تابع کر دیا ہے یعنی مسلمان کا مقصد اصلی حصول جنت نہیں ہے اور نہ وہ اسکا طامع۔ حضرت رابعہ بصریہ کی حکایت مشہور ہے بلکہ اصل مقصد حصول تکمیل حیات انفسانیہ جسکو مذہبی اصطلاح میں معرفت و رضائے حق کہا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا منشا تخلیق انسان سے یہی ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ (قرآن مجید) اور عبادت کی تفسیر معرفت سے کیگئی ہے۔ عبادت ایک نہایت وسیع جملہ ہے اور حقیقۃ اسمیں ہر امر جو تحصیل و تکمیل رضائے حق کیلئے کیا جاوے داخل ہے۔ اور اسیوجہ سے اہل معرفت و مردان خدا کے دنی کام کھانا پینا وغیرہ بھی داخل عبادت ہیں کیونکہ وہ ذاتی خواہشات پورا کرنیکی نیت سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ مقصد اصلی کے واسطے۔ (احیاء العلوم باب شکر)

مذہب ایک صراط مستقیم ہے جو ان جملہ اصول کو ملحوظ رکھکر انسان کی رہنمائی کے واسطے ہدایت کرتا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔ امر معروف و نہی عن المنکر یہی دو اصول اسلام کے نہایت

باقی آئندہ

اسرار التنزیل

للفخر الرازی

آدمی کی پیدائش کے ان عجائب امور میں جو اعضاء بسیطہ میں ہیں

حیوان کے اعضاء دو قسم پر ہیں ایک بسیط یعنی مفرد کہلاتے ہیں۔ دوسرے مرکب عضو بسیط اسے کہتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی سا محسوس جزء الگ کیا جائے تو اس جزء کا نام اور اس کی تعریف اس کے کل کے نام اور تعریف کا عین ہو۔ جیسا کہ ہڈی کا کوئی ٹکڑا الگ کیا جائے تو وہ ہڈی ہی کہلائیگا۔ اور گوشت کا کوئی سا ٹکڑا الگ کریں وہ گوشت ہی کہلائیگا۔ اور جو عضو ایسا نہ ہو اسکو مرکب کہتے ہیں جیسے ہاتھ۔ جب ہاتھ کا کوئی ٹکڑا الگ کر لیا جائے تو وہ ٹکڑا ہاتھ نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح پاؤں کا ٹکڑا پاؤں نہیں کہلاتا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ بسیط اعضاء کی دس قسمیں ہیں۔ عظام یعنی ہڈیاں۔ غضاریف یعنی کرکری ہڈیاں۔ اعصاب یعنی پٹھے۔ رباطات۔ اوتار۔ اوردہ یعنے وریدیں۔ شریانات یعنے شریانیں۔ اغشیہ یعنے پردے۔ لحم یعنے گوشت۔ جلد یعنے چمڑہ۔ یہ ہیں تمام اعضاء مفرد جو حیوان کے بدن میں موجود ہیں۔ اب ہم ان اعضاؤں میں سے ہر ایک اعضاء کے کچھ فائدے اور صفتیں لطور اختصار بیان کرتے ہیں ؀

(ہڈیوں کی صفتیں)

اس فصل میں چار مسئلے لکھے جاتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہڈیوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ پہلی قسم میں تین نوع کی ہڈیاں شامل ہیں جو بدن کو فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے ان نوعوں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ پہلی نوع میں وہ ہڈیاں ہیں جو تمام بدن کے لئے مثل اصل اور بنیاد کے ہیں کہ دوسرے اعضاء ان پر رکھے گئے ہیں جیسے جب کوئی شخص کشتی بناتا ہے تو پہلے بڑی سی لکڑی نیچے رکھتا ہے۔ اور اس کے اوپر دوسری لکڑیوں کو ترتیب دیتا ہے تاکہ تمام کشتی بنجائے دوسری نوع میں وہ ہڈیاں ہیں جو تمام بدن کے واسطے مثل ڈھال کے ہیں۔

تاکہ اگر باہر سے بدن پر کوئی بلا آئے تو اس کا صدمہ اُن ہڈیوں پر پہنچے۔ اس
عضو کو نہ پہنچے جو ان کے اندر ہے جیسے کہ سر کی ہڈیاں۔ ان کے اندر دماغ ہے اور
دماغ عضو شریف ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کے ارد گرد سر کی ہڈیاں پیدا
کر دی ہیں۔ تاکہ اگر کوئی پتھر یا لکڑی سر کو صدمہ پہنچا سکے تو اس کی چوٹ ہڈی
پر آئے۔ دماغ کے جرم پر نہ آئے۔ تیسری نوع میں وہ ہڈیاں ہیں جو تمام بدن
کے واسطے مثل ہتھیار دل اور آلوں کے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے عمل کرنا
آسان ہوتا ہے جیسا کہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں کیونکہ انگلیوں کے
پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ان کے وسیلہ سے بہت کام کرنا آسان ہوجائے
ان کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے وسیلہ سے بہت کام کرنے آسان
ہو جاتے ہیں۔ اور جو ہڈی اس واسطے پیدا کی ہے کہ وہ دوسرے عضو کے لئے سپر ہو
اس کو مضبوط اور بڑی پیدا کیا ہے اور جو اس واسطے پیدا کی ہے کہ وہ کاموں کی حرکتوں
کے واسطے آلہ ہو اسے چھوٹی بنایا ہے۔ کیونکہ اگر بڑی ہوتی تو بھاری ہوتی اور
اس سے کام کرنا آسان نہ ہوتا اور پھر اس غرض کے لئے کہ بہت سبک ہو اس کو
مجوف بنایا ہے اور اس کے جوف کو مغز سے بھرا ہے وجہ یہ ہے کہ جب انہیں
حرکتوں اور عملوں کا آلہ بنایا۔ تو کاموں کی کثرت کی وجہ سے ان میں خشکی ضرور
پیدا ہوگی۔ اس لئے اس کے جوف کو مغز سے بھر دیا تاکہ وہ مغز اس کے اجزا
کو تر رکھے اور حرکات کی کثرت کے سبب خشکی اس پر غلبہ نہ کرے۔ پس پاک
ہے وہ خدا تعالےٰ جس نے ہزاروں حکمتیں انسان کی پیدائش میں پیدا کر دی ہیں
دوسری قسم وہ ہیں کہ جو دو ہڈیاں ایک دوسری سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ ان کی
پیوستگی چار طرح پر ہے ایک موصول۔ دوسری مرکوز۔ تیسری مدرز چوتھی
[illegible] اور پہلی نوع جو موصول ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ
ان میں ایسا جوڑ ہو جس سے حرکت کرنی آسان ہو۔ جیسا کہ ہاتھ کے بند کا جوڑ
ہے اور انگلیوں کی ہڈیوں کے جوڑ ہیں۔ دوسری قسم وہ ہیں۔ جن میں ایسا جوڑ
ہے۔ اگر ہاتھ کے جوڑوں کے اوپر کے نصف حصہ میں ہے آدمی سیدھا کر [illegible]
[illegible] تو [illegible] سکتا ہے جیسے رکوع میں لیکن یہ حرکت ہاتھ کے بندوں

اور انگلیوں کی حرکت جیسی نہیں ہوتی۔ تیسری قسم وہ ہیں جن میں ایسا جوڑ ہو کہ اسکی
حرکت بہت کم ہو جیسی کہ سینوں کی ہڈیوں کی حرکت ہے۔ ان ہڈیوں کے جوڑ
میں سانس لینے کے وقت تھوڑی سی حرکت ضرور ہوتی ہے۔ چوتھی قسم وہ ہیں
جو کچھ حرکت نہیں کرتیں جیسا کہ پیٹھ کے مہروں کے نیچے کے حصہ کی ہڈیوں کے جوڑ
ہیں کیونکہ یہ جوڑ بہت محکم اور مضبوط ہیں اس لئے یہ کچھ حرکت نہیں کرتیں۔ دوسری
نوع وہ ہے جس میں دو مرکوز ہڈیاں آپس میں جڑی ہوتی ہیں۔ وہ اس طرح پر ہیں
کہ اوپر کی ہڈیوں کے دندانے نیچے کی ہڈیوں میں سخت گڑے ہوئے ہوں۔ تیسری
نوع جنہیں مدرور کہتے ہیں۔ اور وہ سر کی ہڈیاں ہیں۔ کیونکہ وہ بہت سی ہڈیوں
سے مرکب ہیں اور ان میں سے ہر ایک آرے کی طرح دندانہ دار ہے۔ اور ان کو
خدا نے ایک دوسری میں ترکیب دیا ہے۔ چوتھی نوع میں ملتصق ہیں وہ ایسی
ہیں جیسے ہاتھ کی کلائی کی ہڈیاں ہیں۔ کیونکہ یہ دو ہڈیاں ایک دوسری پر رکھی
ہوئی ہیں۔ اور پیوستہ کی گئی ہیں*

دوسرا مسئلہ۔ ہڈیوں کی کیفیت کے بیان میں۔ اللہ تعالےٰ نے حیوانوں کے
جسم کو ایک ہڈی سے پیدا نہیں کیا بلکہ بہت ہڈیوں سے پیدا کیا ہے اور اس میں
پانچ فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک لکڑی کی مانند سخت نہ ہو
کیونکہ حیوان کو ایسا بھی کرنا پڑتا ہے کہ اپنے بعض اعضاؤں کو تو حرکت دے اور
بعض کو نہ دے۔ اگر اس کا تمام بدن ایک ہی ہڈی ہوتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا
اس لئے اللہ تعالےٰ نے انسان کو بہت ہڈیوں سے بنایا تاکہ اس کو یہ طاقت حاصل ہو
کہ ایک عضو کو حرکت دینے کے وقت اس کے دوسرے اعضاء ساکن رہیں۔
دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حیوانوں کا جسم گرم تر ہے۔ اور یہ حرارت ہمیشہ رطوبت
میں عمل کرتی رہتی ہے۔ اور بخار اٹھاتی رہتی ہے اور اگر ان کے بدن میں ایک
ہی ہڈی ہوتی تو بدن کے اندر سے ان بخارات کا جدا ہونا مشکل ہو جاتا۔ لیکن
بہت ہڈیاں ہونے سے غلیظ بخار ان کے جوڑوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور
بخاروں کے بند ہونے سے جو آفت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دور ہو جاتی ہے۔
تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بدن کی تمام ہڈیوں کی بجائے ایک ہی ہڈی ہوتی اور

وہ کسی سبب سے ٹوٹ جاتی۔ تو اسکا اثر تمام بدن کو پہنچتا۔ اور اس سے تمام بدن معیوب ہوجاتا۔ لیکن جب بہت ہڈیوں سے مرکب ہے تو ایک کے شکستہ ہونے سے اس کا اثر دوسری پر نہیں پہنچتا۔ اور باقی بدن سلامت رہتا ہے اور ہاتھ اور پاؤں تمام بدن کے خدمت کرنے والے ہیں۔ اور ان سے بہت فائدے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین حصہ زون بازو۔ ساعد یعنے کلائی اور کتف یعنے کندھے سے مرکب ہے اور خدمتگار ہتھیلی ہے اس لئے وہ ستائیس ہڈیوں سے مرکب ہے۔ اس صورت میں اگر ایک ہڈی کو ضرر پہنچتا ہے۔ تو دوسری ہڈیاں سلامت رہتی ہیں تاکہ ہاتھ سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ رک نہ جائیں۔ پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے آدمی کی پیدائش میں اپنے فضل اور رحمت سے اسقدر طرح طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں رکھدی ہیں۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بعض اعضاء بڑے ہیں اس لئے اُن کی ہڈیاں بھی بڑی ہونی چاہئیں جیسے ران اور بازو کی ہڈیاں ہیں اور بعض اعضاء چھوٹے ہیں اس لئے ان کی ہڈیاں بھی چھوٹی ہونی چاہئیں جیسے انگلیاں۔ اور اگر تمام بدن کی ایک ہی ہڈی ہوتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ حکمت کا تقاضا ایسا ہوا کہ بعض ہڈیاں مجوف ہوں اور بعض سخت اور مضبوط کیونکہ بدن کے اعضاء میں اشرف دل اور دماغ ہیں دل کو خدا نے بدن کا سلطان بنایا ہے اور اس کے گرد ایک جھلی پیدا کی ہے تاکہ وہ دل کی محافظ ہو پھر اس غشا یعنے جھلی کے گرد پھیپھڑے کو رکھا۔ پھر سینہ کی ہڈیوں سے چار دیواری اور اس کی پچھلی طرف کو پیٹھ کی ہڈیوں کو قائم کیا پھر ان دونوں قسم کی ہڈیوں کی چار دیواری کو گوشت سے بھر دیا تاکہ اگر کسی لکڑی یا پتھر کا صدمہ اس پر آئے تو ہڈیوں پر اس کا اثر کم ہو۔ اگر یہ ہڈیاں خالی ہوتیں تو پتھر وغیرہ کے صدمہ شکستہ ہوجاتیں اور جب ہڈیوں پر گوشت ہے تو اس سے اس پتھر کا اثر کم ہوتا ہے چنانچہ دیکھو کہ اگر ایک پتھر پر دوسرے پتھر کو مارا جائے تو اس سے کچھ نہ کچھ ٹوٹ جاتا ہے لیکن ایک پتھر روئی میں ہو اور دوسرا پتھر اس پر لگے تو اس سے کچھ بھی نہیں ٹوٹے گا چونکہ دل بہت شریف خصوصیتا اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ سب اعضا اس کی حفاظت اور سلامتی کے

واسطے پیدا کئے ہیں۔ اور دماغ بھی شریف عضو تھا اس کے گرد پتلا سا چمڑا بنایا ہے۔ اور پھر اور سخت چمڑا کاسۂ سر کے نیچے پیدا کیا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ دونوں چمڑے جرم دماغ اور ہڈیوں کے درمیان حائل رہیں کیونکہ دماغ بہت لطیف ہے۔ اور ہڈیاں بہت کثیف ہیں اور اگر دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوتی تو لطیف عضو کو ضروری صدمہ پہنچتا۔ پس اس صدمے کے دور کرنے کے واسطے خدا تعالےٰ نے یہ غشا پیدا کر دئے ہیں پھر سر کی ہڈی دماغ کے گرد پیدا کی ہے تاکہ اگر کوئی بلا آئے تو وہ ہڈی اس بلا کو دماغ اس پاس سے دور رکھے پھر اس مطلب کے لئے جو اوپر بیان ہوا ہے اس ہڈی کے اوپر گوشت پیدا کر دیا ہے۔ پھر گوشت کے گرد چمڑا پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ چمڑا اس گوشت کو عفونت سے بچائے رکھے پھر چمڑے کے اوپر بال پیدا کر دئے ہیں تاکہ اگر کوئی پتھر یا لکڑی لگے تو پہلے بالوں پر آئے۔ اور چمڑے اور گوشت اور ہڈی پر اس کا اثر کم ہو چونکہ دل اور دماغ بدن کے اشرف اعضائے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی حفاظت کے واسطے یہ تمام سامان پیدا کیا ہے۔ اور دوسرے اعضاء شرف میں ان سے کم تھے اس لئے اُن کے واسطے اس قدر احتیاط موجود نہیں۔ اور اگر بدن کی ایک ہی ہڈی ہوتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوسکتا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔

تیسرا مسئلہ۔ سر کی ہڈیوں کی کیفیت میں۔ اللہ تعالےٰ نے سر کی ہڈیوں کی پیدائش میں کئی نوع کی حکمت اور رحمت ظاہر کی ہے۔ پہلی نوع یہ ہے کہ سر کو خدا تعالےٰ نے گرد پیدا کیا ہے۔ اور اس میں تین حکمتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ کرہ کی شکل جو گول ہوتی ہے وہ آفتوں سے بچی رہتی ہے۔ کیونکہ جب کرہ کی مانند گول ہوتی ہے تو کسی پتھر یا لکڑی کے لگنے یا ٹکرانے سے اس کو کم صدمہ پہنچتا ہے اور اگر ضلعدار ہوتی تو اس کو زیادہ صدمہ پہنچتا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ سر کی شکل گول ہے۔ اگر اسی حد میں ضلعدار ہوتی تو اس کی مساحت کم ہوتی اور اب گردی شکل کی مساحت زیادہ فراخ ہے

تیسری حکمت یہ ہے کہ آدمی کا سر آسمان کی مانند ہے اور اس میں آنکھیں آفتاب اور چاند کی مانند ہیں۔ اور قوت حافظہ جیسے لوح محفوظ۔ اور زبان بمنزلہ مثل قلم کے ہے۔ پس جیسے فلک گردندہ ہے اسی طرح آدمی کا سر بھی گردہ ہے۔ دوسری نوع حکمت کی سر کی پیدائش میں یہ ہے کہ سر کا کاسہ ایک ہڈی نہیں بلکہ بہت سی ہڈیاں ہیں جو ایک دوسری میں ملائی گئی ہیں اور اس میں تین حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ آدمی کا تمام بدن گرم و تر ہے اور جب گرمی تری میں عمل کرتی ہے تو بخار اٹھ کر اوپر کو چڑھتے ہیں اور سر بدن کے اوپر ہے۔ اس لئے تمام بخار جو بدن میں ہوتے ہیں سر میں آجاتے ہیں اس لئے خداوند تعالے نے سر کی ہڈی کا ایک ہی ٹکڑا پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اسکو بہت ہڈیوں سے مرکب بنایا ہے تاکہ جو بخار ہمیشہ سر میں آتا رہتا ہے وہ ہڈیوں کے جوڑوں سے باہر نکلتا رہتا ہے اور آدمی تندرست اور زندہ رہتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے ایک بہت پتلی اور باریک جھلی جرم دماغ کے ارد گرد پیدا کی ہے۔ اور ایک دوسری سخت جھلی سر کی ہڈیوں کے نیچے پیدا کی ہے اور ان میں یہ حکمت رکھی ہے کہ دماغ کے لطیف جرم اور ہڈیوں کے کثیف جرم کے درمیان دو جھلیاں حائل رہیں۔ اور ان دونوں جھلیوں کے درمیان فضا بھی موجود رہے کیونکہ اونچی آواز کرنے کے وقت اور بہت غصہ کے وقت دماغ کا جرم بڑھ جاتا ہے اور اگر فضا نہ ہوتا تو دماغ کا جرم ہڈیوں کے جرم سے ملجاتا اور یہ امر رنج کا باعث ہوتا اور جب یہ معلوم ہوگیا تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ حکمت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب سخت جھلی ہڈیوں کے جسم سے ملی ہوئی ہو اس لئے اللہ تعالے نے جو حکیم کامل ہے سر کی ہڈی کو بہت ہڈیوں سے مرکب بنایا ہے۔ اور کثرت سے بڑی باریک رگیں اس سخت جھلی سے نکالی ہیں اور ان کا گذرگاہ سر کی ہڈیوں کے جوڑوں میں سے بنایا ہے اور انہیں سر کے باہر نکالا ہے اور اس جھلی سے ملا دیا ہے جو سر کے باہر واقع ہے تاکہ وہ جھلی جو سر کے اندر ہے ہڈی سے ملی رہے۔ اور جس فضا کا ذکر کیا ہے وہ باقی رہے

اور وہ مصلحت حاصل ہو۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ دماغ کا جرم بڑا شریف ہے اور کاسۂ سر اس کا محافظ ہے۔ اس لئے اس ہڈی کی احتیاط کرنی واجب تھی۔ اور اگر ایک ہی ہڈی ہوتی۔ اور وہی ٹوٹ جاتی تو سارا کارخانہ باطل ہو جاتا۔ لیکن جب بہت ہڈیوں سے مرکب کیا گیا ہے تو اگر کوئی ٹکڑا ٹوٹ جائے تو باقی ہڈیاں سلامت رہتی ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سر کو جو بہت ہڈیوں سے بنایا ہے اسی میں ہی انسان کی بڑی مصلحت تھی اور اسی طرح اس چاردیواری بنانے میں مصلحت تھی جیسے بہت سی ہڈیوں سے مرکب کر کے محافظ ٹھیرایا ہے۔ تیسری نوع حکمت کی سر کی ہڈیوں کی پیدائش میں یہ ہے کہ سر کے کاسہ کو چھ ہڈیوں سے مرکب کیا ہے چار ہڈیاں تو چاردیواری کی شکل پر ہیں اور دو بجائے چھت کے ہیں چاردیواری کی چاروں ہڈیوں میں سے ایک پیشانی کی ہڈی ہے دوسری سر کے پچھلی طرف کو ہے اور دو دو سر کے دونوں طرفوں میں ہیں ان چھ ہڈیوں میں خالق عالم کی بے شمار حکمتیں ہیں اور ہم ان میں سے کچھ ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ چاروں ہڈیاں جو چاردیواری کی مانند ہیں آپس میں طبیعت اور خاصیت میں متشابہ نہیں یعنے ان کی طبیعت اور خاصیت ایک ہی نہیں پیشانی کی ہڈی ان میں سے زیادہ لطیف اور نازک ہے اور جو ہڈی سر کی پچھلی طرف کو ہے وہ ان چاروں سے زیادہ کثیف اور سخت ہے اور باقی دونوں ہڈیاں جو سر کی دونوں طرف ہیں لطافت اور کثافت میں متوسط ہیں۔ اور ایسا کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ معدہ اور دماغ کے اگلے حصے کے درمیان میں بڑی شرکت ہے یہ اسی شرکت کا باعث ہی ہے کہ اگر ناخوش بو معدہ کو پہنچ جاتی ہے تو اس میں پہنچ جاتی ہے اور اگر کوئی سرد پانی پیتا ہے تو اس کی سردی کا اثر آدمی کے دماغ کی اگلی طرف میں پہنچ جاتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ معدہ اور دماغ کے اگلے حصہ کے درمیان بڑی شرکت ہے اور معدہ ہمیشہ بخارات رطوبتوں کا محل ہے اس واسطے ہمیشہ بہت سے بخارات معدہ سے دماغ کی طرف پر آتے رہتے ہیں۔ پس اس مطلب کے واسطے اللہ تعالیٰ نے پیشانی کی ہڈی میں بہت نرمی اور لطافت پیدا کی ہے تاکہ وہ بخارات لطیف ہڈی کے مساموں سے نکل جائیں۔ اور جب معدہ اور دماغ کے اگلے حصہ میں شرکت ہے

دماغ کے پچھے حصہ کے ساتھ مشارکت ہو جاتی ہے اس واسطے سر کی اگلی ہڈی ذرا سی لطیف اور سر کی پچھلی طرف کی ہڈی سخت پیدا کی ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ سر قوت بینائی کا نگاہ رکھنے والا ہے اور آنکھ سر کی اگلی طرف میں ہے سر کی پچھلی جانب نہیں ہیں۔ اس لئے اگلی ہڈی تو آنکھ کی حفاظت میں ہے اور پچھلی ہڈی آنکھ کی حفاظت سے محروم ہے اس لئے سخت قوی ہونے میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے اور دو ہڈیاں جو سر کے دونوں طرف ہیں آنکھ کی حفاظت کے فائدے میں متوسط درجہ رکھتی ہیں اس لئے یہ سختی اور نرمی میں معتدل ہیں۔ پس یہ فائدے اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے اپنے بے شمار فضل اور اپنی بے انتہا رحمت سے عطا کئے ہیں ؛

چوتھا مسئلہ۔ انسان کے اعضاؤں کے فائدوں میں بہت گفتگو ہے اگر ان سب کو ہم لکھیں تو بہت سی جلدیں لکھنی پڑتی ہیں۔ لیکن ہم ایک اور مثال بیان کرکے اسی پر اس گفتگو کو ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بدن کے سب اعضا میں سے بہت چھوٹا اور حقیر عضو انگلیاں ہیں۔ ان کے ہم کچھ تھوڑے سے فائدے بیان کرتے ہیں اور باقی اعضاء کا ان پر ہی قیاس کر لیا جائے۔ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کے تمام ذروں میں سے ہر ایک ذرہ کی پیدائش میں خداوند تعالےٰ کی بے انتہا حکمتیں ہیں۔ اور انسان کی عقل کو ان میں سے بہت تھوڑا معلوم ہوا ہے اس بیان کی آٹھ قسمیں کی جاتی ہیں ؛ باقی آئندہ

خرافات المتکلمین المخالفۃ لحقیقۃ الدین

الہدیٰ شروع سے اس امر کو پیش کر رہا ہے کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر جو شخص تحقیق مسائل دینیہ میں استدلال عقلی سے تجاوز نہیں کرتا اس کا وجود اہل ایمان کیلئے سخت خطرناک ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں استدلال عقلی کے دلدادہ نسبتاً بڑھ رہے ہیں اس لیئے ان کے طریق استدلال کی بے وقعتی اور کمزوری کا ثابت کرنا الہدیٰ نے ضروری سمجھا ہے ہم کوشش کرتے ہیں کہ پہلے ان لوگوں کے اسلاف کے بعض لغویات

کا ذکر کریں اور بعد ازاں موجودہ زمانہ کے استدلالیوں کی حقیقت کھولیں۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ استدلال عقلی کے دلدادہ اور عقلیات کے بدوں کتاب و سنت سے نہ مطمئن ہونے والے لوگ دو قسم کے ہوا کرتے ہیں اول وہ لوگ جو در پردہ تو اسلام کے دشمن ہوتے ہیں مگر بظاہر مصلحتاً جماعت اسلام میں منسلک ہوتے ہیں ایسے لوگ اسلام کی خوبیوں اور اس کی فطرتی سہولتوں کو جن کی طرف طبعًا لوگ اس دین میں داخل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں عوام الناس کے نزدیک بری صورت میں ظاہر کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں سو یہ لوگ درحقیقت مسلمان نہیں ہوتے اور متکلمین کے اکثر گروہ میں اسی قسم کے لوگ تھے آئندہ مطور میں انشاء اللہ ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

دوم وہ لوگ ہیں جو درحقیقت اسلام کی خوبیوں اور اس کی سہولتوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ عام اہل اسلام ہر ایک عقیدہ اور حکم کو دلیل عقلی سے سمجھیں اور محض نام کے مسلمان نہ کہلائیں مگر جب مسائل میں بحث کا دروازہ کھول دیتے ہیں تو اثبات مدعا میں کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں اور ایسی باتیں ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو مخالف کتاب و سنت ہوتی ہیں ایسے لوگ اپنی طرف سے نیک نیتی سے طریق استدلال کی پیروی کرتے ہیں مگر بوجہ کم لیاقتی یا غلط فہمی کے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے نیاچرہ اسی جماعت میں شامل ہیں ایسے لوگ اپنے طریق کی تصحیح کے لیئے چند ایک خود تراشیدہ اصول کو بطور علوم متعارفہ کے مان لیتے ہیں اور اپنی تمام تحقیق کی بنا ر انہیں اصول پر قائم کرتے ہیں۔ جہاں کہیں کتاب و سنت ان کے فرضی اصول کے مخالف ہو جائیں تو تاویلات رکیکہ سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ سلف میں اکثر لوگ اسی قسم کے تھے اور انہوں نے اپنی عمریں عقلیات ہی میں کھو دیں اور بزعم خود یہ سمجھتے رہے کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں دوسرے اس سے واقف نہیں مگر در اصل وہ خود گمراہ ہوتے ہیں۔

ہمیں استدلالیوں کی مذمت سے بجز اس کے اور کچھ مدنظر نہیں کہ عام مسلمانوں پر واضح کر دیں کہ ان لوگوں کے استدلالات غلط و صحیح خیالات کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں ایک طالب حق کو ہرگز جائز نہیں کہ بمقابلہ کتاب و سنت ان کی کچھ وقعت قرار دے

کیونکہ ایمان صحیح بجز اتباع کتاب و سنت ناممکن الحصول ہے خاکسار خود اپنے تجربہ سے
بعض ایسے لوگوں سے ملا ہے جو استدلال عقلی کے بغیر کتاب و سنت پیش کرنے
پر مطمئن نہیں ہوتے اور ایسے لوگ ہمیشہ وسوسہ اور وہم کی دلدل میں پھنسے ہوتے
ہیں اور انہیں چاشنی ایمان نصیب نہیں ہوتی۔ ذیل میں سلسلہ وار سلف
متکلمین کے چند خرافات عقائد کا بیان کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین ان لوگوں کے عقائد
سے محفوظ رہیں۔

متکلمین کا مذہب ذات باری کے متعلق

متکلمین کا ایک گروہ ذات باری کو جسم مانتا ہے (تعالی اللہ عن ذلک)
ان کا خیال ہے کہ ذات باری ایک جسم طویل عریض عمیق ہے
جس کا طول عرض عمق باہم مساوی ہیں اور وہ ایک چاندی کے ٹکڑے کی طرح
چمکتا ہوا صاف و روشن ہے اور وہ رنگ۔ ذائقہ۔ بو بھی رکھتا ہے اور قیام
و قعود اور حرکت و سکون بھی اس میں پائے جاتے ہیں کیونکہ اگر یہ باتیں اس میں
نہ ہوتیں تو ہمیں اس کا کچھ علم نہ ہو سکتا وہ ایک نورانی شعاع ہے جو اس سے
علیحدہ ہوتی ہے تحت الثریٰ تک کا علم رکھتا ہے اور وہ اپنی سات بالشت لمبا چوڑا
ہے اور عرش کے سانھ مماس ہے اور عرش اس کے بوجھ سے اس طرح آواز کرتا
ہے جیسے نیا کجاوہ۔

اور ایک دوسرا گروہ یہ مانتا ہے کہ ذات باری انسان کی طرح ہاتھ پاؤں اور
حواس خمسہ وغیرہ رکھتا ہے اور اس کا نصف بالائی تو مجوف ہے اور نصف زیریں
ٹھوس۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ خون و گوشت نہیں رکھتا۔

اور ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ ذات باری عرش پر ہے جس کو ملائکہ
اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ عرش و ملائکہ ہر دو سے زیادہ قوی ہے۔

اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ ذات باری ایک نور غیر جسمانی ہے اور باایں ہمہ وہ
انسان کی صورت رکھتا ہے۔

اور ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ ذات باری کو اشیا کے پیدا ہونے سے
پہلے ان کا علم نہیں ہوتا بلکہ جب وہ وجود پذیر ہوتی ہیں تو ان کا علم حاصل ہوتا ہے اور
اس کے علم اور مخلوق کے علم میں کچھ فرق نہیں۔

ایک دوسرا گروہ اس امر کا معتقد ہے کہ ذات باری نے بعض مخلوق میں حلول
کیا ہوا ہے۔ جیسے نصاریٰ مسیح میں ذات باری کے حلول کے قائل ہیں۔)
اس خیال کے لوگ محمد بن نعمان الملقب بشیطان الطاق کے پیرو تھے اور یہ
فرقہ شیطانیہ کے نام سے مشہور ہے ابو مسلم خراسانی کی نسبت ان کا خیال تھا
کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے اندر حلول کیا ہوا ہے

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کو ایک ہی دفعہ ایک آن
میں پیدا کر دیا تھا اس لئے نہ تو آدم علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے مقدم ہیں
نہ مسیح جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے درحقیقت یہ خیال فلاسفہ سے اخذ کیا گیا
ہے جو کمون[1] و بروز کے قائل ہیں۔

ایک اور گروہ جن کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ عقلاء پر ظلم کی قدرت نہیں
رکھتا البتہ بچوں اور دیوانوں پر ظلم کر سکتا ہے ابو جعفر اسکافی کے پیرو اس خیال
کو مانتے تھے چنانچہ اس فرقہ کو اسکافیہ بولتے ہیں۔

ایک اور گروہ کا یہ خیال ہے کہ شر کا خالق شیطان ہے نہ اللہ تعالےٰ چنانچہ
جب کسی مریض یا مصیبت زدہ کو دیکھتے تو کہا کرتے کہ کیا ارحم الراحمین اپنے مخلوق
سے ایسا سلوک کر سکتا ہے؟۔

ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ دنیا کے لئے دو معبود ہیں ایک قدیم اور وہ ذات باری
ہے اور ایک حادث اور وہ مسیح علیہ السلام ہے اور مسیح ہی قیامت کے دن لوگوں سے
حساب و کتاب لیں گے اور آیہ وجاء ربک والملک صفاً صفاً میں اسی طرف
اشارہ کیا گیا ہے احمد بن حابط کے پیرو ان کا یہ خیال تھا چنانچہ اس فرقہ کو حابطیہ
بولتے ہیں۔

ایک قوم کا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ کے افعال میں نہ تو کوئی غرض ملحوظ ہوتی ہے
اور نہ ان میں کوئی حکمت۔ چنانچہ کلام الٰہی میں کوئی لام علت اور باسببیت نہیں آئے

[1] کمون بمعنی خفا اور بروز بمعنی ظہور ہے۔ مگر ایک گروہ اہل فلسفہ کی اصطلاح میں اس کو یہ مراد
ہے کہ اشیاء موجودات سب کی سب ایک ہی دفعہ وجود پذیر ہو گئی تھیں فرق صرف یہ ہے کہ بعض دیگر میں مخفی ہیں
اور ہمیں انہیں جو تقدم و تاخر معلوم ہوتا ہے یہ صرف ظہور و خفا پر مبنی ہے ورنہ وجود میں سب ایک ہی دفعہ آگئی تھیں

اور جہاں ایسا لام یا بار آئے ہیں ان کی لغو تاویل کر لیا کرتے ہیں۔

ہم نے مشتے نمونہ از خروارے اہل کلام کے ان عقائد کا ذکر کیا ہے جو ذات باری کی نسبت وہ رکھتے ہیں مگر غور کرنا چاہیے کہ ان لغو اور فضول عقائد میں سے کوئی ایک بھی قرآن سنت کی تعلیم سے مطابقت رکھتا ہے بلکہ حقیقت توحید سے ان کو کیا نسبت ہے؟ جس شخص نے علم کلام کی کتابیں دیکھی ہوں گی اسے خوب معلوم ہے کہ ان کتب میں بجز اسی قسم کے زندقہ والحادیاں پر رد و اعتراض کرنی کے کچھ بھی نہیں رکھا۔

صفات ذات باری کے متعلق متکلمین کے عقائد

قرآن وسنت میں ذات باری کی نسبت وارد ہو چکا ہے کہ وہ ذات مقدس عالم۔ قادر۔ مرید متکلم۔ سمیع۔ بصیر وغیرہ ہے مگر متکلمین کی ان نصوص پر تسلی نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے مسئلہ صفات میں اس مبحث لاطائل کو درمیان لا ڈالا کہ صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات۔

اس مسئلہ پر اس قدر خامہ فرسائی کی گئی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ حالانکہ شریعت میں ایسے مسائل میں غور وخوض کی سخت ممانعت آچکی ہے کیونکہ انسانی دائرہ عقل سے یہ امر خارج ہے کہ صفات ذات باری کی کنہ اور ماہیت وکیفیت تعلق بذات کو کوئی شخص سمجھ سکے بلکہ تسلیم وتفویض اس مسئلہ میں صحیح مذہب ہے جس پر صحابہ اور تابعین کے بزرگان دین چلے آئے تھے مگر متکلمین نے یہ سمجھا کہ ایسے مباحث کو بلا تحقیق چھوڑ دینا کم علمی کا نتیجہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ دور از قیاس باتیں تراشنے پر مجبور ہوئے اور نہایت لغو معلومات کا ایک ذخیرہ جمع کر کے اہل اسلام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا

معتزلہ کا مذہب دربارۂ صفات

اس بے معنی مسئلہ میں معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ صفات باری عین ذات ہیں مثلاً وہ ذات عالم ہے بذاتہ یعنی اس کا علم اس کی ذات سے کوئی علیحدہ چیز نہیں اسی طرح وہ ذاتا قادر ہے مگر اسکی قدرت اسکی ذات سے علاوہ کوئی چیز نہیں۔

جو دلائل ان لوگوں نے اس مسئلہ کے اثبات میں پیش کئے ہیں ہم انہیں لغویات کا مجموعہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اشاعرہ کا مذہب

اشاعرہ نے بمقابلہ معتزلہ ایک ایسا مذہب اس مسئلہ میں نکالا

جس کو کوئی عاقل کبھی تسلیم نہیں کر سکتا یعنی صفات باری نہ تو عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات - غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ جملہ ہی سرے سے مہمل ہے جس کے کچھ معنی نہیں اور اس مذہب پر انہیں اس مشکل نے مجبور کیا جو عین ذات اور غیر ذات ہر دو صورت میں سے کسی ایک کے ماننے پر عائد ہوتی تھی

امام فخر الدین رازی نے متاخرین میں سے ہر دو مذہب کا رد کیا کیونکہ کیونکہ معتزلہ کا مذہب تو صریح طور پر مخالف کتاب و سنت ہے کیونکہ اس سے نفی صفات لازم آتی ہے اور اشاعرہ کا مذہب کسی امر محصل کا نتیجہ نہیں دیتا بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت معتزلہ ہی کا مذہب ہے بشرطیکہ اس کے جملہ بے معنی کی صحیح تاویل کی جا سکے - مگر خود امام رازی چونکہ عقلیات کے میدان کے بڑے شہسوار ہیں لہذا انہیں بھی اس مسئلہ کے حل کرنے میں بڑی دقت پیش آئی ہے اور انہوں نے اپنا ایک علیحدہ ہی مسلک قرار دے لیا ہے جو بجائے خود ہر دو سے بدتر ہے ہم اسے بھی فضول سمجھ کر یہاں نقل نہیں کرتے -

ایک محقق نے اس لغویت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ولو انہم رجعوا فی ذلک الی ظاہر ما ورد فی القرآن والسنۃ فاعتقدوہ دینا ووقفوا فیما وراء ذلک لاستراحوا یعنی اگر یہ لوگ ظاہر قرآن و سنت پر ایمان قائم کر لیتے اور ایسے ناممکن الحل امور میں دخل نہ دیتے تو آرام پا لیتے -

قال اللہ تعالیٰ ولا تقف مالیس لک بہ علم یعنی جس امر کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو -

اسلامی خبریں

(دنیائے اسلام پر ایک نظر ۔ جرمنی میں اشاعت اسلام)

علم تاریخ کی اصطلاح میں مردہ قوم اُس قوم کو کہتے ہیں جو اپنے عروج کے بعد گمنامی کے گوشہ میں جا پڑی ہو جسکو اپنے پرانے کارنامے بھی یاد نہ رہے ہوں اور جسکے دل میں کسی قسم کی حرکت باقی نہ رہی ہو بلکہ روز بروز جمود ترقی کرتا جاتا ہو - موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی قوم کو مردہ قوم بتایا جاتا ہے اور درحقیقت کچھ شک

بھی معلوم ہوتا ہے روزمرہ کا مشاہدہ بتا رہا ہے کہ دنیا کی قومیں اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں
سرگرم ہیں یورپ اور امریکہ سے عیسائی مشنریان دور دور از مسافتیں طے کر کے مشقتیں اٹھا کے
ہندوستان پہنچی ہیں اور نئے نئے طریقوں سے اپنے خیالات کو پھیلاتی ہیں کہیں مشن اسکول کھولے
جاتے ہیں کہیں کرسچین کالج قائم کئے جاتے ہیں کہیں شفاخانوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے جن میں
ہر وقت مذہبی عیسوی کی تلقین ہوتی ہے یہی ہندوستان جہاں پہلے ایک بھی عیسائی نہ تھا
اب وہاں لاکھوں تک نوبت پہنچگئی ہے دور جانیکی ضرورت نہیں اپنے گھر ہی میں دیکھ لو کہ آریہ جماعت
اپنے مذہب کی اشاعت میں کسطرح سر گاڑی پاؤں پہیہ ہو رہی ہے اور کتنی حیرت انگیز کامیابی انہوں نے
حاصل کر لی ہے مگر مسلمان ہیں کہ سناٹے کی نیند سو رہے ہیں اکثروں کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ آریہ واقع میں
کچھ کر رہے ہیں اور اگر ہے تو اس کی پروا نہیں کہ اس پر آشوب زمانہ میں ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیئے یا
نہیں ہر طرف جہالت کا دور دورہ ہے ادبار کی حکومت ہے بہت سے پڑھے لکھے یہ بھی نہیں جانتے
کہ ان کے بزرگوں نے عرب سے نکلکر کیونکر ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا گاڑا تھا باایں ہمہ شرمندگی
مسلمان تعجب کے ساتھ اس خبر کو سنیں گے کہ یورپ کی بعض سلطنتیں خود بخود ترقی اسلام میں کوشاں ہیں جرمنی
سلطنت کی یہ خواہش ہے کہ اس کی قلمرو میں نیز دیگر بلاد میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے اس کا سبب
بتایا جاتا ہے کہ جرمنی حکومت کو اس کا یقین ہے کہ دوسری قوموں کی نسبت مسلمان محنت و مشقت
اور بڑے بڑے کاموں میں حصہ لینے کے زیادہ قابل ہیں بشرطیکہ ان کو وہ امور مذہب کے پیرایہ میں
بتائے جائیں اس لئے کہ دنیا میں مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہیں جن پر مذہبی فرائض کا زیادہ اثر
ہوتا ہے اور وہ ان کی ادائیگی میں جان تک اڑا دینے میں بھی دریغ نہیں کرتے اس لئے جرمنی سلطنت
چاہتی ہے کہ اس تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا بنا لے اور ان کے دل اپنی طرف مائل کر لے وس کا
خیال ہے کہ اگر ملک میں مسلمانوں کی تعداد کافی طور سے بڑھگئی اور مسلمانوں سے اس کا رابطہ اتحاد
قائم ہو گیا تو اسکی صنعت و حرفت اور تجارت اور ملک کی آبادی بے نظیر قوت حاصل کر لیگی ❊

(انتخاب)

ریویو

اسلام کی پہلی و دوسری

زمانہ کی ضرورتوں نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ مسائل دینیہ کو حسب مذاق زمانہ نئی نئی صورتوں میں لکھیں بات تو ایک ہی ہوتی ہے مگر طرز تالیف جدا گانہ ہوا کرتا ہو گو قبل ازیں اسلامی کتابوں کے سلسلے ملک میں رائج ہو چکے ہیں مگر یہ سلسلہ بھی بجائے خود قابل قدر ہے اس سلسلہ کے مؤلف مولوی نور الدین صاحب اجمیری مدرس مدرسہ معین الاسلام اجمیر ہیں۔ فی الحقیقت پہلی اور دوسری کتاب ہم نے دیکھی ہے امید کہ آئندہ بھی اس سلسلہ میں ایسی ہی مفید کتابیں نکلیں گی۔ ان ہر دو کتابوں میں سلسلوار اسلامی مسائل اعتقاد اور مسائل فقہ کو عمدہ طرز میں جمع کیا گیا ہے امید کہ ناظرین اس سلسلہ کی قدر کریں گے۔

قیمت ہر دو کی چند پیسے ہیں۔

ملنے کا پتہ

منشی غلام مصطفےٰ صاحب کوچہ کندیگراں اسلامیہ بک ڈپو لاہور

ایک غلطی کی صحت

گذشتہ نمبر یعنی رسالہ نمبر ا جلد ۱ کے صفحہ ۳ پر آسمان کے جسم مادی ہونیکے متعلق آیہ کالعہن المنفوش بجائے آیہ فکانت وردۃ کالدھان کے غلطی سے لکھی گئی ہے کیونکہ کالعہن المنفوش میں جبال کی کیفیت فنا کو بتایا گیا ہے نہ آسمان کی حقیقت فنا کو۔ ناظرین سے التماس ہے کہ "کالعہن سے ...... اڑنے لگیں گے" تک عبارت کو قلمزن فرمالیں کیونکہ یہ ایک فاش غلطی ہے جس سے ہرگز اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ اس غلطی کی وجہ محض ذہول و تسامح ہے ورنہ سورۃ القارعۃ روزمرہ نمازوں میں پڑھی سنی جاتی ہے

اللھم اغفرلنا وتب علینا (آمین) ایڈیٹر